12

سوِکس

ACADEMIC YEAR 2018-19
Sr.No: 16401379
Code: B98M687

2018-19

پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور

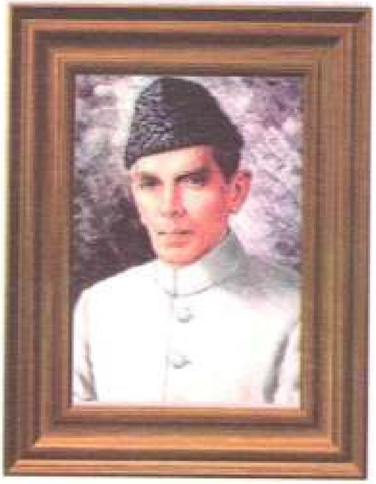

”تعلیم پاکستان کے لیے زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔ دُنیا اتنی تیزی سے ترقی کر رہی ہے کہ تعلیمی میدان میں مطلوبہ پیش رفت کے بغیر ہم نہ صرف اقوامِ عالم سے پیچھے رہ جائیں گے بلکہ ہو سکتا ہے کہ ہمارا نام و نشان ہی صفحۂ ہستی سے مٹ جائے۔“

قائدِاعظم محمد علی جناحؒ، بانی پاکستان
(26 ستمبر 1947ء۔ کراچی)

قومی ترانہ

پاک سرزمین شاد باد   کشورِ حسین شاد باد
تُو نشانِ عزمِ عالی شان   ارضِ پاکستان
مرکزِ یقین شاد باد

پاک سرزمین کا نظام   قُوّتِ اُخوّتِ عوام
قوم ، مُلک ، سلطنت   پایندہ تابندہ باد
شاد باد منزلِ مُراد

پرچمِ ستارہ و ہلال   رہبرِ ترقّی و کمال
ترجمانِ ماضی، شانِ حال   ۔ جانِ استقبال
سایۂ خدائے ذوالجلال

15627

جعلی کُتب کی روک تھام کے لیے پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بُک بورڈ، لاہور کی درسی کُتب کے سرِورق پر مستطیل شکل میں ایک ”حفاظتی نشان“ چسپاں کیا گیا ہے۔ ترچھا کر کے دیکھنے پر اس نشان میں موجود مونوگرام کا نارنجی رنگ، سبز رنگ میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح مونوگرام کے نیچے موجود سفید جگہ کو سِکّے سے کُھرچنے پر "PCTB" لکھا ظاہر ہوتا ہے۔ تصدیق کے لیے ”حفاظتی نشان“ پر دیے گئے کوڈ کو "8070" پر "PCTB(Space)Code No." لکھ کر SMS کریں اور انعامی سکیم میں شامل ہوں۔ اگر SMS کے جواب میں ”حفاظتی نشان“ پر درج سیریل نمبر موصول ہو تو کتاب اصلی ہے۔ درسی کُتب خریدتے وقت یہ ”حفاظتی نشان“ ضرور دیکھیں۔ اگر کسی کتاب پر یہ نشان موجود نہ ہو یا اس میں ردّوبدل کیا گیا ہو تو ایسی کتاب ہرگز نہ خریدیں۔

سوِکس

12

پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور

جملہ حقوق بحق پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور محفوظ ہیں ریویو کردہ وفاقی وزارت تعلیم (شعبہ نصاب سازی) حکومت پاکستان، اسلام آباد۔
اس کتاب کا کوئی حصہ نقل یا ترجمہ نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی اسے ٹیسٹ پیپرز، گائیڈ بکس، خلاصہ جات، نوٹس یا امدادی کتب کی تیاری میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔

فہرست

باب نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر
1	**تحریک پاکستان** نظریہ پاکستان کا مفہوم نظریہ پاکستان کی اہمیت تحریک علی گڑھ آل انڈیا مسلم لیگ 1906ء معاہدہ لکھنؤ 1916ء تحریک خلافت 1919ء 1935ء کا ایکٹ قرارداد پاکستان 1940ء 3 جون 1947ء کا منصوبہ	1
2	**آئینی ارتقا 73-1947ء** آئین کا تاریخی اجمالی جائزہ 56-1947ء 1956ء اور 1962ء کے آئین کے اہم خدوخال 1973ء کے آئین کے اہم خدوخال اور اسلامی دفعات مجلس شوریٰ (سینٹ اور قومی اسمبلی) صدر اور وزیر اعظم صوبائی خود مختاری سپریم کورٹ اور ہائی کورٹ	35
3	**پاکستان میں معاشرتی خدمات** طبی ڈھانچہ طبی سہولیات صحت کے مسائل اور ان کا حل تعلیمی ڈھانچہ تعلیم کی اقسام تعلیمی مسائل اور ان کا حل	74
4	**پاکستان میں معاشرتی نظم وضبط** معاشرتی نظم وضبط کا مفہوم معاشرتی نظم وضبط کی اہمیت اسلامی تناظر میں آزادی، انصاف، اصول معدلت اور اختیارات کے حصول کے لیے معاشرتی نظم وضبط کے تقاضے پاکستان میں معاشرتی نظم وضبط کی موجودہ حالت پاکستان میں پولیس کا کردار	85
5	**قومی یکجہتی وسالمیت** مفہوم قومی یکجہتی وسالمیت کی اہمیت اسلامی ریاست میں قومی یکجہتی وسالمیت قومی یکجہتی کے مسائل اور ان کا حل	93
6	**اسلامی جمہوریہ پاکستان اور دنیا** خارجہ پالیسی کا مفہوم پاکستان کی خارجہ پالیسی کو متعین کرنے والے عوامل پاکستان کی خارجہ پالیسی کے نمایاں خدوخال پاکستان کے ہمسایہ ممالک کے ساتھ تعلقات اسلامی کانفرنس کی تنظیم اور اقتصادی تعاون کی تنظیم میں پاکستان کا کردار اقوام متحدہ اور اس کے ادارے بین الاقوامی تنازعات کو حل کرنے میں اقوام متحدہ کا کردار	99

مصنفین: پروفیسر رحمان اللہ چوہدری ★ پروفیسر محمد فاروق ملک ★ پروفیسر آفتاب احمد ڈار
ڈائریکٹر مسودات: ڈاکٹر مبین اختر　　ڈپٹی ڈائریکٹر گرافک / سینئر آرٹسٹ: عائشہ وحید

ناشر: چوہدری اینڈ سنز لاہور　　مطبع: چوہدری اینڈ سنز لاہور

تاریخ اشاعت	ایڈیشن	طباعت	تعداد اشاعت	قیمت
اپریل 2018ء	اول	17	14,500	51.00

باب 1

تحریک پاکستان

(Pakistan Movement)

مملکت خداداد پاکستان 14 اگست 1947ء کو وجود میں آئی۔ بیسویں صدی میں بہت سی قوموں کو آزادی نصیب ہوئی اور کئی آزاد اور خود مختار مملکتیں دنیا کے نقشے پر ابھریں۔ پاکستان بھی اُن میں سے ایک ہے لیکن پاکستان کی بنیاد بالکل منفرد اور جداگانہ تھی۔ بیشتر ممالک نسل، زبان اور علاقے کی بنیاد پر تخلیق ہوئے۔ پاکستان واحد ملک ہے جو ایک مضبوط نظریہ کے سبب وجود میں آیا۔

پاکستان کے قیام کے واضح شعور اور پاکستان کے استحکام کے پختہ عزم کے لیے اس نظریہ کا فہم ضروری ہے۔ انگریزی میں نظریے کے لیے ''آئیڈیالوجی (Ideology)'' کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

ڈاکٹر جارج براس (Dr. George Brass) کے الفاظ میں:

''عام زندگی کا ضابطہ یا کوئی پروگرام جس کی بنیاد فکر و فلسفہ پر استوار ہو آئیڈیالوجی کہلاتا ہے۔''

ورلڈ انسائیکلوپیڈیا (World Encyclopaedia) کی تعریف کی رُو سے:

''نظریہ سیاسی اور تمدنی اصولوں کا مجموعہ ہے جس پر کسی قوم یا تہذیب کی بنیادیں استوار ہوتی ہیں۔ یہ کسی قوم یا ثقافت کے فطری نشوونما کے عمل میں مدغم بھی ہو سکتی ہے۔''

نظریہ سے مراد ایسا ضابطہ یا پروگرام ہے جس کی بنیاد فلسفہ و فکر پر رکھی گئی ہو اور انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں مثلاً سیاسی، معاشرتی اور تہذیبی مسائل کے حل کے لیے کوئی منصوبہ بنایا گیا ہو۔

نظریہ پاکستان کا مفہوم (Meanings of Ideology of Pakistan)

پاکستان ایک نظریاتی مملکت ہے جس کی بنیاد ایک فلسفۂ حیات پر استوار کی گئی۔ یہ فلسفہ دین اسلام ہے۔ پاکستان کی تمام تر اساس دین اسلام ہے اور یہی وہ لائحہ عمل اور جذبہ ہے جو تحریکِ پاکستان کا موجب بنا۔

نظریہ پاکستان اور اسلامی نظریہ حیات کو ہم معنی قرار دیا جاتا ہے۔ بلاشبہ اسلامی نظریہ حیات، نظریہ پاکستان کی بنیاد ہے۔

برصغیر میں صدیوں تک مسلمانوں کی حکومت رہی۔ وہ اپنے مذہب کے مطابق آزادانہ زندگی بسر کرتے رہے۔ انگریزوں کا راج قائم ہوا تو اسلام اور مسلمانوں کی آزاد حیثیت کو نقصان پہنچا۔ مسلمان اس سارے عرصے میں اسلامی نظام لانے کا خواب دیکھتے رہے۔ غیر مسلموں کے اقتدار میں مسلمان مجبور اور محکوم رہے۔ انگریزوں کے قدم اکھڑنے لگے تو صاف نظر آ رہا تھا کہ برصغیر پر ہندو اکثریت کی حکومت قائم ہو جائے گی اور مسلمان انگریزوں کی عارضی غلامی سے نجات پا کر ہندوؤں کی دائمی غلامی کا شکار ہو جائیں گے۔ سرسیّد احمد خاں، قائداعظم محمد علی جناحؒ، علامہ اقبالؒ اور کئی دوسرے مسلم اکابرین نے برصغیر کے مسلم عوام کے تحفظ، وقار اور آزادی کے لیے کوششیں شروع کیں۔ انھی اکابرین کی کوششوں کے نتیجے میں پاکستان معرضِ وجود میں آیا۔

قائداعظمؒ اور نظریہ پاکستان

☆ قائداعظمؒ نے مسلمانوں کو ایک مکمل قوم اور اسلام کو ایک مکمل نظام کے طور پر تسلیم کرتے ہوئے بڑے عمدہ الفاظ میں تشریح کردی

تھی جب انھوں نے فرمایا:

''پاکستان تو اُسی روز وجود میں آ گیا تھا جب پہلا ہندو مسلمان ہوا تھا۔''

☆ برصغیر کے مسلمانوں کو ایک علیحدہ اور مکمل قوم ثابت کرتے ہوئے آپ نے 23 مارچ 1940ء کو لاہور کے تاریخی اجلاس میں فرمایا:

''ہندومت اور اسلام صرف مذاہب نہیں بلکہ دو جداگانہ سماجی نظام ہیں اس لیے یہ تصور محض خواب ہی سمجھنا چاہیے کہ مسلمان اور ہندو کبھی ایک مشترکہ قوم میں ڈھل جائیں گے۔ دونوں قوموں کا تعلق دو مختلف تہذیبوں سے ہے اور ہر دو تہذیبیں اپنی بنیاد جن افکار اور حقیقتوں پر رکھتی ہیں، وہ ایک دوسرے کی تہذیبوں سے مختلف ہیں۔''

☆ 1941ء میں آپ نے فرمایا:

''انڈیا کبھی بھی ایک ملک یا ایک قوم نہیں تھا۔ برصغیر کا مسئلہ بین الاقوامی مسئلہ ہے اور موجودہ اختلافات ثقافتی، سماجی اور اقتصادی نوعیت پر اپنی اساس رکھتے ہیں۔''

☆ قائداعظمؒ اسلامی نظام کو پوری طرح قابلِ عمل سمجھتے تھے اور قرآن پاک کو بنیاد مان کر ملکی نظام کو استوار کرنا چاہتے تھے۔ انھوں نے آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ 1943ء میں کراچی میں فرمایا:

''وہ کون سا رشتہ ہے جس سے وابستہ ہونے سے سارے مسلمان ایک جسم کی طرح ہیں؟ وہ کون سی چٹان ہے جس پر اس ملت کی عمارت کھڑی کی گئی ہے؟ وہ کون سا لنگر ہے جس سے امت کی کشتی محفوظ کر دی گئی ہے؟ وہ رشتہ، وہ چٹان اور وہ لنگر خدائے بزرگ و برتر کی کتاب قرآن مجید ہے۔''

☆ قائداعظمؒ نے تقسیم برصغیر کے حوالے سے فرمایا:

''ہمارے دلوں میں آزادی کی بے پناہ تڑپ ہے۔ ہم برطانوی تسلط سے نجات حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اس بات پر کبھی راضی نہیں ہو سکتے کہ ہمیں ہمیشہ کے لیے ہندوؤں کی غلامی اختیار کرنے پر مجبور کر دیا جائے''۔

☆ آپ نے تخلیق پاکستان کے بعد قیام پاکستان کے مقاصد بیان کرتے ہوئے کہا:

''دس سال سے ہم جس مملکت کی تخلیق کے لیے کوشاں تھے، خدائے بزرگ و برتر کی مہربانی سے اب ایک حقیقت بن چکا ہے۔ اب پاکستان کا مقصد ہمارے لیے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ ہم نے ایک ایسی ریاست بنائی ہے جس میں ہم آزاد افراد کی طرح رہ سکیں، اپنی تہذیب و ثقافت کو ترقی دے پائیں اور اسلام کے اجتماعی نظام عدل کے اصولوں پر عمل پیرا ہو سکیں۔''

☆ نظریہ پاکستان کی وضاحت کرتے ہوئے قائداعظمؒ نے ایک بار یوں فرمایا:

''ہم نے پاکستان کا مطالبہ محض زمین کا ٹکڑا حاصل کرنے کے لیے نہیں کیا تھا بلکہ ہم ایک ایسی تجربہ گاہ حاصل کرنا چاہتے تھے جہاں ہم اسلام کے اصولوں کو آزما سکیں۔''

☆ قائداعظمؒ نے 1948ء میں سبی دربار سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''اسلام محض رسوم و روایات اور روحانی نظریات کا نام نہیں ہے۔ یہ ایک ضابطہ حیات ہے جو ہر مسلمان کے لیے ہے تاکہ وہ اپنی روزمرہ زندگی، اپنے افعال و اعمال اور سیاست و معاشیات میں اس پر عمل پیرا ہو سکے۔ اسلام میں

سب انسان برابر ہیں۔ صرف ایک خدا کا تصور اسلام کے بنیادی اصولوں میں سے ہے۔ مساوات، آزادی اور اخوت اسلام کی اساس ہیں۔''

علامہ اقبالؒ اور نظریہ پاکستان

علامہ اقبالؒ نے برصغیر میں واحد قوم کے وجود کا تصور مسترد کردیا اور مسلم قوم کی جداگانہ حیثیت پر زور دیا۔ اسلام کو ایک مکمل نظام مانتے ہوئے علامہ اقبالؒ نے اسی بنیاد پر برصغیر کے شمال مغرب میں علیحدہ مسلم ریاست کے قیام کا تصور آل انڈیا مسلم لیگ کے الٰہ آباد کے اجلاس منعقدہ 1930ء میں پیش کیا۔ انھوں نے واضح کیا کہ:

''انڈیا ایک برصغیر ہے، ملک نہیں۔ یہاں مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے اور مختلف زبانیں بولنے والے لوگ رہتے ہیں اور مسلم قوم اپنی علیحدہ پہچان رکھتی ہے۔ تمام مہذب قوموں کا فرض ہے کہ وہ مسلمانوں کے مذہبی اصولوں اور ثقافتی وسماجی اقدار کا احترام کریں۔''

ان سے پہلے بھی دو قومی نظریہ کی بنیاد پر جداگانہ مملکت کا ذکر بعض اکابرین نے کیا تھا لیکن علامہ اقبالؒ کا نظریہ جامع اور تفصیلی انداز کا حامل تھا۔

نظریہ پاکستان کی اہمیت (Significance of Ideology of Pakistan)

i- نظریاتی بنیاد

پاکستان کے وجود کا انحصار اُس نظریہ پر ہے جس کی بنیاد پر یہ مملکتِ خداداد وجود میں آئی۔ نظریہ پاکستان ملک کی روح ہے اور اس کے تحفظ اور سالمیت کا باعث ہے۔ جنوبی ایشیا کے مسلمانوں نے پاکستان اسی نظریہ کے حوالے سے مانگا اور یہی نظریہ اسے مضبوط اور مستحکم رکھ سکتا ہے۔ تاریخ نے ہمیں سبق دیا ہے کہ نظریہ پاکستان سے انحراف کی بنا پر 1971ء میں ہمارا پیارا ملک دو ٹکڑوں میں تقسیم ہوگیا۔ وہ قوت کمزور پڑ گئی جو پاکستان کے مختلف علاقوں کو آپس میں متحد رکھے ہوئے تھی۔ نظریہ پاکستان سے دوری ملی یکجہتی اور استحکام کے لیے نقصان دہ ثابت ہوئی اور اگر ملت اسلامیہ نے نظریاتی سرحدوں کو مضبوط نہ بنایا تو مستقبل میں بھی خطرات کا سامنا ہوسکتا ہے۔

ii- وحدت کی بنیاد

پاکستان میں کئی زبانیں بولنے والے لوگ رہتے ہیں، اُن کی ثقافتیں، روایات اور نسلیں مختلف ہیں اور رنگوں میں بھی یکسانیت نہیں ہے۔ ایسے میں وہ واحد قوت جو تمام پاکستانیوں کو ملت واحد میں ڈھالے ہوئے ہے اور ان کے درمیان مضبوط بندھن کا باعث ہے، دین اسلام ہے۔ مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے اور پاکستانی عوام دوسری پہچان کو ایک طرف رکھتے ہوئے اپنی پہچان اپنے مذہب کے حوالے سے کراتے ہیں۔ علامہ اقبالؒ نے مذہبی بنیادوں پر زور دیا اور کہا کہ مسلمان اسلام کی وجہ سے ایک ملت ہیں اور ان کی قوت کا دارومدار بھی اسلام ہے۔ انھوں نے مسلم ملت کی اساس کے حوالے سے حقیقی تصور اپنے اشعار میں پیش کیا۔

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر — خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمیؐ
اُن کی جمعیت کا ہے ملک ونسب پر انحصار — قوت مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری

ہندوؤں اور انگریز حکومت کی مشترکہ قوت قائداعظمؒ اور آل انڈیا مسلم لیگ کے عزائم کی راہ میں رکاوٹ پیدا کر رہی تھی۔ قائداعظمؒ ان دونوں سے لڑ کر برصغیر کے مسلمانوں کو آزادی دلانا چاہتے تھے۔ ہندوؤں کی عددی برتری اور انگریز حکومت کی بے پناہ طاقت مسلمانوں کو پاکستان بنانے سے نہ روک سکی۔ اس کی وجہ اسلام سے مسلمانوں کی وابستگی تھی۔ قائداعظمؒ اسلام کی سربلندی اور مسلمانوں کے تحفظ کے لیے مسلسل کوشاں رہے اور مخالفتوں کے پہاڑ بھی اُن کا راستہ نہ روک سکے۔ قائداعظمؒ کے درج ذیل الفاظ آج بھی پاکستانی قوم کے ارادوں کو مضبوط بنانے کا باعث بنتے ہیں جو آپ نے 1939ء میں عوام سے خطاب کرتے ہوئے فرمائے:

''ہندوؤ! تمھاری تعداد زیادہ ہوا کرے، تم ترقی یافتہ ہو! تمھاری معیشت مستحکم سہی اور تم سمجھتے ہو کہ سروں کی گنتی سے آخری فیصلے ہوتے ہیں، یہ سب غلط ہے۔ میں تمھیں بتادوں کہ ہماری روح کو تم تباہ نہیں کر سکتے۔ تم اُس تہذیب کو مٹا نہیں سکتے جو ہمیں ورثے میں ملی ہے۔ ہمارا ایمان زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔ بے شک تم ہمیں مغلوب کرو، ہم پر ستم ڈھاؤ اور ہم سے بدترین سلوک روا رکھو لیکن ہم نے پختہ فیصلہ کرلیا ہے کہ اگر مرنا ہے تو لڑتے لڑتے مر جائیں گے۔''

مسلم قوم نے اپنے عظیم قائد کی سربراہی میں اپنے آپ کو ایک مضبوط اور بھرپور قوم ثابت کیا اور ملّی وحدت کے ذریعے مسلمانوں کے جداگانہ قومیت کے تصور کو کامیاب بنایا۔ یہ تصور نظریہ پاکستان کہلایا۔

iii- مثالی ریاست

اسلامی اصولوں کی ترویج کے لیے مملکت خداداد پاکستان تخلیق کی گئی۔ اس سرزمین کو ایک تجربہ گاہ کے طور پر استعمال کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ طے پایا کہ اسلام کے سنہرے اصولوں پر مبنی معاشرہ بنایا جائے گا جہاں انصاف، مساوات، آزادی اور رواداری جیسی خصوصیات کو ابھارا جائے گا۔ قائداعظمؒ سے سوال کیا گیا کہ غیر منقسم جنوبی ایشیا میں مسلمانوں کو اپنے مذہب کے مطابق عبادت کرنے کی آزادی ہے تو پھر پاکستان کا مطالبہ کیوں؟ آپ نے فرمایا:

''بھائی چارہ، مساوات اور انسان دوستی ہمارے مذہب، ثقافت اور تہذیب کے بنیادی نکات ہیں۔ چونکہ ہمیں ان بنیادی انسانی حقوق کی پامالی کا خدشہ تھا اس لیے ہم نے پاکستان کی تخلیق کے لیے جدوجہد کی۔''

قائداعظمؒ کی نظر میں پاکستان ایک ایسا ملک بننا تھا جہاں حقوق، آزادیاں، انصاف اور رواداری کارفرما ہونا تھی۔ یوں پاکستان دوسرے ممالک اور معاشروں کے لیے ایک مثال بن سکتا تھا تاکہ وہ بھی اس کے نقش قدم پر چل کر خوشگوار اور فلاحی صورت اختیار کر سکتے۔ نظریہ پاکستان فلاحی اور مثالی ریاست کے قیام کی بنیاد سمجھا گیا۔

iv- قومی استحکام

پاکستان قائم بھی اسلام کے نام پر ہوا اور اس کو مستحکم بھی اسلام کے نام پر ہی بنایا جاسکتا ہے۔ آج کی پاکستانی نسل نے نہ پاکستان تخلیق ہوتے دیکھا نہ اسے ان قربانیوں کا تجربہ ہوا جو اس سے پہلے والی نسل نے دے کر اس ملک کو نقشے پر جگہ دلانے میں کامیابی حاصل کی تھی۔ آج کی نسل کو نظریہ پاکستان اور قیامِ پاکستان کے اغراض و مقاصد سے پوری طرح آگاہ رکھنے کی ضرورت ہے۔ جذباتی وابستگی کا جاری رکھا جانا ضروری ہے اور لازم ہے کہ آج کے پاکستانیوں کو نظریہ پاکستان سے پوری طرح روشناس کرایا جائے۔ انھیں

اُس عظیم تحریک کی تفاصیل سے آگاہ کیا جائے جو پاکستان کی تخلیق کے لیے جنوبی ایشیا میں چلائی گئی۔ پاکستان کے عوام کو مضبوط اور متحد رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ انھیں نظریہ پاکستان کی اہمیت اور اُس کے پیش رؤوں کی قربانیوں کا پوری طرح علم ہو۔ ملک بھر میں فرقہ وارانہ لسانی، علاقائی اور صوبائی تعصبات کو پاکستان دشمن ہوا دے رہے ہیں۔ ان تعصبات کی بیخ کنی کے لیے نظریہ پاکستان سے دلی وابستگی کو فروغ دینے کی ضرورت ہے۔

v- جمہوریت کی کامیابی

پاکستان میں سیاسی عمل اور جمہوری طور طریقوں کو کامیابی سے ہمکنار کر کے ترقی کی منازل طے کی جا سکتی ہیں۔ پاکستان کی تخلیق جمہوری اور سیاسی عمل کا نتیجہ ہے۔ اسے مسلم عوام کی بہت ہی بڑی اکثریت نے اپنے حق خودارادیت کو منواتے ہوئے بنایا۔ پاکستان کا تحفظ بھی جمہوری اقدار کے فروغ اور عوامی قوتوں کو اعلیٰ حیثیت دے کر کیا جا سکتا ہے۔ اسلام اپنی روح میں ایک جمہوری نظام ہے۔ اس میں شورائی طریقے کو اپنایا جاتا ہے اور قانون کی حاکمیت کو یقینی بنایا جاتا ہے۔ اگر نظریہ پاکستان پر پوری طرح عمل کیا جائے تو ملک میں رواداری، انصاف اور جمہوریت کی جڑیں مضبوط ہو سکتی ہیں۔ نظریہ اسلام میں جمہوریت ایک اہم ستون کی حیثیت رکھتی ہے۔ پاکستان میں نظریاتی بنیادوں کی کمزوری کی ایک بڑی وجہ جمہوری قدروں کی پامالی ہے۔ قومی تعمیر نو کا انحصار ملی جذبوں کی آبیاری، جمہوریت کی کامیابی اور اسلام سے وابستگی پر ہے۔ قائداعظمؒ نے مارچ 1942ء میں ایک تقریر میں اپنی رائے کا اظہار یوں کیا۔

> ''ہمارے وجود کا احساس اسلام ہے۔ ہم ایک ہیں اور ہمیں ایک قوم ہی کی حیثیت میں آگے بڑھنا ہے۔ یہی صورت ہے جس سے ہم پاکستان کو قائم رکھ سکتے ہیں۔''

vi- اسلامی ریاست

قائداعظمؒ نے دوٹوک الفاظ میں فرمایا تھا کہ پاکستان ایک مذہبی نہیں بلکہ اسلامی ریاست ہوگی۔ یہاں غیر مسلموں کو مسلمانوں کے مساوی درجہ ملے گا۔ وہ آزاد اور خوش گوار فضا میں سانس لے سکیں گے اور انھیں برابر حقوق حاصل ہوں گے۔ رواداری اور انصاف کے تقاضے پورے کیے جائیں گے۔ قائداعظمؒ پاکستان کو تھیوکریٹک سٹیٹ *(Theocratic State)* نہیں بنانا چاہتے تھے۔ انھوں نے فرمایا:

> ''ہمیں کوئی غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے کہ پاکستان تھیوکریٹک ریاست ہے۔ اسلام تمام عقائد کو برداشت کرنے کی قوت رکھتا ہے۔ لہٰذا ہم ان سب اقوام کا خیر مقدم کرتے ہیں جو پاکستان کی تعمیر و ترقی میں ہمارے ساتھ شریک ہونا چاہتی ہیں۔''

11 اگست 1947ء کو پاکستان کی دستور ساز اسمبلی میں آپ نے اسلامی ریاست کے تصور کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

> ''آپ عبادت کے لیے اپنی مخصوص عبادت گاہوں میں جانے کے لیے آزاد ہیں۔ آپ کا تعلق چاہے کسی عقیدے سے ہو، ریاست کو اس سے کوئی سروکار نہیں۔ پاکستان کے تمام شہری مساوی ہیں اور انہیں مساوی حقوق حاصل ہوں گے۔''

تحریک علی گڑھ (Aligarh Movement)

برصغیر کے مسلمانوں نے 1857ء کی جنگ آزادی میں ناکامی کے بعد تحریک علی گڑھ کے نام سے ایک تحریک چلائی جس کے قائد سرسیّد احمد خاں تھے۔ انہیں نواب محسن الملک، نواب وقار الملک، مولانا شبلی نعمانی، مولانا حالی، ڈپٹی نذیر احمد، مولانا چراغ علی اور کئی دیگر عظیم شخصیتوں کا تعاون حاصل رہا۔ اس تحریک نے مختلف شعبوں میں مسلمانوں کی قیادت کی اور اُن کے لیے کارہائے نمایاں انجام دیے۔

تحریک علی گڑھ کا پس منظر

1857ء کی جنگ آزادی ختم ہوئی تو مسلمانوں پر ظلم وستم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ اگرچہ ہندوؤں نے بھی جنگ میں مسلمانوں کا ساتھ دیا تھا لیکن وہ مسلمانوں کو تمام کارروائیوں کا ذمہ دار قرار دے کر خود بری الذمہ ہو گئے۔ مسلم قوم زیرِ عتاب آئی اور انہیں سنگین نتائج بھگتنا پڑے۔

☆ مسلمانوں کی کثیر تعداد موت کے گھاٹ اتار دی گئی۔ مسلمان ہونا جرم قرار پایا۔ انہیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر قتل کیا گیا۔ لارڈ رابرٹ (Lord Robert) نے لکھا ہے کہ دہلی کے اندر ہر جانب لاشوں کے انبار تھے۔ اتنے مسلمان موت کا نشانہ بنے کہ اُن کے خون سے گھوڑوں کے سُم ڈوب جاتے تھے۔

☆ مسلمانوں کی جاگیریں چھن گئیں، اُن کی جائیدادیں ضبط کر لی گئیں اور اُن کے کاروبار بند ہو گئے۔ انھیں سرکاری ملازمتوں خصوصاً فوج سے نکال دیا گیا۔ مسلمان کسانوں کو زمینوں سے بے دخل کر دیا گیا۔ جاگیریں اور زمینیں غیر مسلموں کو بطور انعام دے دی گئیں۔ سرسیّد نے مسلمانوں کی حالت زار کا نقشہ یوں کھینچا ہے۔ ''کوئی بلا آسمان سے ایسی نہیں اتری جس نے زمین پر پہنچنے سے پہلے کسی مسلمان کا گھر نہ ڈھونڈا ہو۔'' معاشی و معاشرتی اعتبار سے مسلم قوم ذلتوں کا شکار ہوئی۔ مسلمان اپنی جانیں بچانے کے لیے دور دراز علاقوں میں ہجرت کر گئے اور اپنے نام بدل کر رہنے لگے۔

☆ مذہبی آزادیاں چھن گئیں، مسجدوں پر تالے ڈال دیے گئے، مسجدیں بطور اصطبل استعمال ہونے لگیں اور مسلمانوں کے تعلیمی مراکز بند کر دیے گئے۔ مسلمانوں کی سو فیصد آبادی تعلیم یافتہ تھی لیکن آنے والے دور میں وہ تعلیمی سہولت سے محروم کر دیے گئے۔ اسلام اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف کتابیں لکھی گئیں۔ مسلمانوں کے مذہب کا مذاق اڑایا گیا اور ہر طرح اُن کی دل آزاری کی گئی۔

تحریک کا آغاز

قریب تھا کہ مسلمان بالکل مٹ جاتے لیکن خدائے بزرگ برتر نے سرسیّد احمد خاں کی صورت میں ایک عظیم راہ نما کو مسلمانوں کی بہبود کی ذمہ داری سونپی۔ مشکلات میں گھری ہوئی قوم کو سرسیّد نے حوصلہ دیا۔ اُن کو مزید تباہ ہونے سے بچایا اور اُن کے احیا کی کامیاب کوششیں کیں۔ خوش قسمتی سے بہت سی باصلاحیت اور خوبیوں کی مالک شخصیتیں ان کے ہم رکاب تھیں۔ سرسیّد نے علی گڑھ کو تحریک کی سرگرمیوں کا مرکز بنایا۔ سرسیّد کی قیادت میں تحریک علی گڑھ نے بے پناہ خدمات انجام دیں۔ تحریک کی بدولت مسلمانوں کو سیاسی، اقتصادی، سماجی، ثقافتی اور مذہبی شعبوں میں بہت مدد ملی اور وہ رفتہ رفتہ اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ سرسیّد کی خدمات کی وجہ سے انھیں پاکستان کے بانیوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ تحریک علی گڑھ ایک کثیر المقاصد تحریک تھی۔

سرسیّد ایک ماہر تعلیم، وسیع الذہن مذہبی راہ نما، عظیم صحافی، منفرد ادیب اور دور اندیش سیاست دان تھے۔ آپ نے اپنی زندگی میں جو کارہائے نمایاں انجام دیے، کوئی دوسرا کئی زندگیاں پا کر بھی ایسا نہ کر پاتا۔ انھوں نے ناممکن کو ممکن کر دکھایا اور ہر شعبے میں کامیابیوں نے اُن کے قدم چومے۔

تحریکِ علی گڑھ کی خدمات

1۔ تعلیمی خدمات

سرسیّد نے مسلمانوں کے لیے تعلیم کی ضرورت پر بڑا زور دیا اور تلقین کی کہ جدید مغربی اور سائنسی تعلیم حاصل کر کے وہ جلد از جلد برصغیر کی دوسری اقوام کے برابر مقام حاصل کریں، ملازمتوں کے لیے مقابلہ کریں اور سماجی و اقتصادی حالت کو بہتر بنانے کی سعی کریں۔ تعلیم کی اہمیت کو بیان کرنا ہی انھوں نے کافی نہ سمجھا بلکہ عملی اقدام اٹھائے اور مسلمانوں کو تعلیم کے حصول میں سہولتیں مہیا کیں۔

i۔ تعلیمی اداروں کا اجرا

سرسیّد نے 1859ء میں مراد آباد، 1862ء میں غازی پور اور 1875ء میں علی گڑھ میں تعلیمی اداروں کا اجرا کیا۔ ان اداروں میں جدید علوم، بالخصوص انگریزی ادب اور سائنس کی تعلیم دی جاتی تھی۔ اسلامی تدریس کا بھی اعلیٰ بندوبست موجود تھا۔

ii۔ سائنٹیفک سوسائٹی

سرسیّد جدید علوم کو مسلمانوں تک جلد از جلد پہنچانا چاہتے تھے۔ سرسیّد نے سائنٹیفک سوسائٹی کے نام سے ایک ادارہ غازی پور میں 1863ء میں قائم کیا۔ اس ادارے میں انھوں نے مغربی کتابوں کے تراجم کروائے اور اُردو زبان میں ایک بڑا ذخیرہ منتقل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ سرسیّد علی گڑھ تبدیل ہوئے تو سوسائٹی کا صدر دفتر بھی غازی پور سے علی گڑھ منتقل کر دیا گیا۔ سوسائٹی ایک ہفتہ وار رسالہ بھی شائع کرتی رہی جس میں تحریک علی گڑھ کی سرگرمیوں کا احاطہ کیا جاتا تھا۔

iii۔ جدید ترین نصاب

سرسیّد نے اپنے تعلیمی اداروں میں جدید ترین مغربی نصاب رائج کیا اور اس کی تخلیق میں انگریز اساتذہ کی خدمات انھیں حاصل رہیں۔ اسلامیات اور مشرقی علوم کی تدریس کا انتظام بھی بالتخصیص کیا گیا۔ سرسیّد نے قرآن پاک، سائنس اور انگریزی ادب کی تدریس بیک وقت جاری رکھی۔

iv۔ علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ

سائنٹیفک سوسائٹی کے زیر اہتمام 1866ء میں علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ نکالا گیا۔ اس رسالے میں تحریک کی سرگرمیوں کی خبریں بھی شائع ہوتی تھیں اور برصغیر کے عوام کے معاشی، سماجی اور سیاسی مسائل پر مقالے بھی لکھے جاتے تھے۔ یہ گزٹ انگریزی اور اُردو دونوں زبانوں میں شائع ہوتا تھا۔

v۔ ایم اے او کالج علی گڑھ

1877ء میں علی گڑھ میں مشہور زمانہ علی گڑھ کالج کا قیام عمل میں لایا گیا۔ سرسیّد کالج کو یونیورسٹی کا درجہ دلانا چاہتے تھے اور اس ضمن میں انھوں نے ان تھک محنت کی۔ اُن کا یہ خواب اُن کی زندگی میں تو پورا نہ ہو سکا البتہ 1920ء میں علی گڑھ یونیورسٹی قائم ہوئی تو سرسیّد کے خوابوں کی تعبیر مل گئی۔ علی گڑھ کے اس ادارے نے زبردست قیادت کو جنم دیا جو بعد ازاں پاکستان کی تخلیق میں نمایاں کردار ادا کرتی رہی۔ سرسیّد نے اپنے اس ادارے کو آکسفورڈ اور کیمبرج یونیورسٹی کے ہم پلہ لانے کا منصوبہ بنایا تھا۔ علی گڑھ کالج میں نصاب اور تعلیمی نظام پر ان یونیورسٹیوں کی گہری چھاپ نظر آتی رہی۔

سرسیّد انگلستان جاتے رہے اور انھوں نے بڑے نامی گرامی اور انگریز اساتذہ کو اپنے اداروں میں پڑھانے پر آمادہ کیا۔ ان میں آرچ بولڈ (*Arch Bold*) اور آرنلڈ (*Arnold*) بہت نمایاں رہے۔ انگریز اساتذہ نے اپنے فرائض احسن طریقے سے ادا کیے اور دیکھتے ہی دیکھتے نوجوان مسلم نسل جدید مغربی علوم سے بہرہ ور ہونے لگی۔

vi- محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس

1886ء میں اس کانفرنس کا قیام عمل میں لایا گیا تھا۔ اس کا مقصد صرف مسلمانوں کو جدید تعلیم کے مواقع فراہم کرنے کے لیے بڑے بڑے مسلمانوں کی مدد کا حصول تھا۔ کانفرنس میں برصغیر کے طول و عرض سے کثیر تعداد میں درد دل رکھنے والے صاحبان ثروت تشریف لاتے رہے اور سرسیّد کے منصوبوں کی تکمیل کی کوششوں میں شریک رہے۔ امرا کے علاوہ مسلم دانشور بھی صلاح و مشورے کے لیے کانفرنس کے اجلاسوں میں آتے رہے۔ سرسیّد ایک دیا تھے جس سے کئی دیے جلے۔ کانفرنس مسلمانوں کے تعلیمی پہلو کے علاوہ سیاسی، اقتصادی اور سماجی پہلوؤں کا بھی احاطہ کرتی رہی۔ اس کانفرنس کے 1906ء کے ڈھاکہ اجلاس میں آل انڈیا مسلم لیگ کا قیام عمل میں لایا گیا۔

2- ادبی و علمی خدمات

سرسیّد نے ادب اور شاعری کی اہمیت کا احساس کرتے ہوئے ایک نیا مکتبہ فکر تخلیق کیا۔ آپ نے مسلم ادیبوں اور شاعروں کو با مقصد اور قومی تحریریں پیش کرنے کی دعوت دی۔ وہ آسان زبان میں اپنا پیغام عوام تک پہنچانا چاہتے تھے۔ ادب اور شاعری کے میدان میں سرسیّد کو بڑی اہم شخصیات کا تعاون حاصل رہا۔ وہ خود بھی اچھے انشا پرداز تھے۔ انھوں نے خود کتابیں لکھیں اور ساتھیوں سے بھی لکھوائیں۔ سرسیّد احمد خاں اور ان کے ساتھیوں کی چند کتب کا تذکرہ ذیل میں کیا گیا ہے:

سرسیّد احمد خاں:	خطبات احمدیہ، تبیین الکلام، تفسیر قرآن مجید، رسالہ اسباب بغاوت ہند، تاریخ سرکشی بجنور اور آثار الصنادید وغیرہ
ڈپٹی نذیر احمد:	توبتہ النصوح، ابن الوقت اور مرأۃ العروس وغیرہ
مولانا شبلی نعمانی:	سیرت النبیؐ، الفاروق، الغزالی اور المامون وغیرہ
مولانا الطاف حسین حالی:	مسدّس حالی، موازنہ دبیر و انیس، دیوانِ حالی اور حیاتِ جاوید وغیرہ

ان کے علاوہ کئی اہل قلم سرسیّد کے حلقۂ ارادت میں شامل تھے جو مسلسل کتب لکھتے رہے۔ سرسیّد نے تہذیب الاخلاق کے نام سے ایک رسالہ جاری کیا جس میں مسلم معاشرے کو بہتر بنانے کے لیے راہ نما اصول بیان کیے جاتے تھے۔ اس رسالہ نے اعلیٰ قدروں کے فروغ میں بڑی مدد دی۔

1867ء میں اُردو ہندی تنازعہ شروع ہوا تو سرسیّد نے اُردو کے تحفظ کے لیے اُردو ڈیفنس سوسائٹی بنائی۔ اس سوسائٹی نے مسلمانوں کی زبان، ثقافت اور اخلاقی قدروں کو بچانے کے لیے اہم خدمات انجام دیں۔

3- مذہبی خدمات

سر سیّد نے اسلامی تعلیمات کے فروغ کے لیے قابلِ قدر اقدام اٹھائے۔ آپ نے مذہبی نوعیت کی متعدد کتابیں خود بھی لکھیں اور اپنے ساتھیوں سے بھی تحریر کروائیں۔ تفسیر قرآن، خطبات احمدیہ، تبیین الکلام، رسالہ احکام طعام اہل کتاب سمیت کئی کتب اور کتابچے لکھے۔ سر سیّد اسلام کو جدید اور سائنٹیفک انداز میں پیش کرنا چاہتے تھے تاکہ مغربی دنیا کے مفکرین اور عوام اس سے متاثر ہوں۔ اُن دنوں مسلمانوں کے خلاف عیسائی مشنریوں نے محاذ کھول رکھے تھے۔ سر سیّد نے دونوں قوموں کے درمیان مفاہمت کی راہ اپنانے پر زور دیا۔ اسلام اور عیسائیت کو اللہ تعالیٰ کے یکے بعد دیگرے آنے والے دو پیغامات کا مجموعہ کہا نیز مسلمانوں اور حکومت کے درمیان جو نفرت پائی جاتی تھی اُسے دور کرنے کی کامیاب سعی کی۔ تبیین الکلام میں قرآن پاک اور بائبل کے مضامین کا موازنہ کر کے ثابت کیا کہ دونوں اللہ تعالیٰ کی کتابیں ہیں اور ان میں کوئی تضادات نہیں ہیں۔ بائبل سمجھنے کے لیے آپ نے ایک یہودی سے عبرانی زبان سیکھی۔

سر سیّد کے مذہبی افکار سے علما کرام کی بڑی تعداد نے اختلاف کیا حتیٰ کہ علی گڑھ تحریک میں شامل علما بھی اُن کے ہم خیال نہیں تھے۔ سر سیّد کے نظریات کی وجہ سے اُن کے خلاف فتوے جاری کیے گئے اور ان پر قاتلانہ حملے بھی ہوئے۔ اختلاف اپنی جگہ لیکن سر سیّد کا مقصد نیک اور مثبت تھا۔ وہ مسلمانوں میں رواداری اور محبت کے جذبوں کو ابھارنا چاہتے تھے۔ عیسائی مشنریوں کی سرگرمیوں کا بھی سر سیّد نے مقابلہ کیا۔ ولیم میور (William Mure) نے اپنی کتاب "لائف آف محمدؐ" میں حضور پاکؐ کے خلاف نازیبا الفاظ استعمال کیے۔ اسلام پر رکیک حملے کیے گئے تو سر سیّد خاموش نہ بیٹھ سکے۔ انھوں نے انگلستان میں ولیم میور کی تحریر کی تردید میں خطبات دیے جو بعد ازاں خطباتِ احمدیہ کے نام سے چھاپے گئے۔ سر سیّد نے اس کتاب کا انگریزی میں بھی ترجمہ کروایا۔

سر سیّد نے مساجد اور مدرسوں کے تالے کھلوائے اور مسلمان آزادی سے نماز و دیگر فرائض کی ادائیگی کرنے لگے۔ انگریز فوجیوں کے زیرِ استعمال جو عمارتیں تھیں وہ بھی مسلمانوں کو واپس دلوائیں۔ مدرسوں میں دینی تعلیم کے اجرا کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا۔

4- معاشی و معاشرتی خدمات

مسلمان جنگ آزادی کے بعد تباہ حال ہو چکے تھے۔ اُن کی جائیدادیں اور جاگیریں چھن گئی تھیں اور انھیں ملازمتوں سے سبکدوش کر دیا گیا تھا۔ تباہی مسلمانوں کا مقدر نظر آ رہی تھی کہ تحریک علی گڑھ نے مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کے لیے ہمہ گیر سرگرمیوں کا آغاز کیا۔ سر سیّد کی کوششوں سے مسلمانوں کے لیے عام معافی کا اعلان ہوا، قتل و غارت کا سلسلہ ختم ہوا اور مسلمانوں کا دوبارہ معاشرے میں باعزت طور پر زندگی گزارنے کے عمل کا آغاز ہوا۔

i- سر سیّد نے 1870ء میں رسالہ تہذیب الاخلاق جاری کیا جس کا مقصد مسلمانوں کی اخلاقی اصلاح تھا۔ اس رسالے میں مسلمانوں کی تہذیب و ثقافت کے حوالے سے مضامین لکھوائے گئے یہ تحریریں مسلمانوں اور حکومت کے درمیان پائی جانے والی خلیج کو کم کرنے کا باعث بھی بنیں۔

ii- مسلمانوں کو عتاب سے بچانے کے لیے سر سیّد نے ایک کتابچہ لکھا جسے 'لائل محمڈنز آف انڈیا' کا عنوان دیا گیا۔ اس کتابچے میں مسلمانوں کی خدمات گنوائی گئیں اور حکومت کو اپنا رویہ بدلنے پر آمادہ کیا گیا۔

iii- رسالہ اسبابِ بغاوتِ ہند لکھ کر سر سیّد نے وہ اسباب گنوائے جو 1857ء کی جنگ آزادی کا باعث بنے۔ جس میں

سرسید احمد خاں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ جنگ آزادی 1857ء کا ایک اہم سبب انگریزوں کا مسلمانوں اور دیگر اقوام کے خیالات و ثقافت سے لاعلمی تھا۔ سرسیّد نے زیادہ ذمہ داری انگریز عاملوں پر عائد کی اور کہا کہ عوام سے دوری کی پالیسی بغاوت کے پھوٹ پڑنے کا سبب تھی۔ اس رسالہ کی 500 کاپیاں چھپوا کر برطانوی پارلیمنٹ کے ارکان اور دیگر انگریز زعما میں تقسیم کی گئیں۔ تحریر کا اثر دکھائی دیا اور حکومت نے آئندہ کسی بغاوت کے امکان کو دور کرنے کے لیے سرسیّد کے مشوروں کو صائب اور قابل عمل سمجھتے ہوئے اپنی پالیسیوں میں ردّو بدل کیا۔

5- سیاسی خدمات

سرسیّد نے شروع میں مسلمانوں کو ہدایت کی کہ وہ سیاست سے اجتناب کریں اور اپنی ساری توانائیاں تعلیم کے حصول اور بہتر معاشی و معاشرتی حالات کی تخلیق کے لیے صرف کردیں۔ مگر بعد میں سرسیّد خود بھی سیاست میں مسلمانوں کے حقوق اور مقام کے تحفظ کے لیے کوشاں ہوگئے۔ انھوں نے محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کو تعلیمی، معاشی اور معاشرتی مقاصد کے علاوہ سیاسی مقاصد کے لیے استعمال کیا۔ مسلم اکابرین کانفرنس میں تشریف لاتے اور سرسیّد مسلمانوں کے حقوق کے حوالے سے قراردادیں منظور کروا کے حکومتی شعبوں کو بھیج دیتے۔ یوں سیاسی پہلو میں بھی ضروری اقدام اٹھائے جاتے رہے۔ آپ نے سیاسی حوالے سے جو اہم کام کیے درج ذیل تھے۔

i- ہندو مسلم اتحاد

سرسیّد کی بھرپور کوشش رہی کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں باہم اتحاد قائم ہو اور دونوں قومیں مل کر برصغیر کی ترقی کے لیے آگے بڑھیں۔ سرسیّد نے ہندوستان کو ایک دلہن سے تشبیہ دی جس کی دو خوبصورت آنکھیں ہندو اور مسلمان تھے۔ سرسیّد نے اپنے تعلیمی اداروں میں ہندو طلبہ کو داخلے دیے اور اپنے تدریسی سٹاف میں ہندو اساتذہ کو بھی بھرتی کیا۔ سرسیّد ہندو مسلم یکجہتی اور دوستی کو فروغ نہ دے سکے۔ انہیں مایوسی ہوئی اور اس کا سبب ہندوؤں کی تنگ نظری، خود غرضی اور مسلم دشمنی تھی۔ ہندو قیادت کو جب بھی موقع ملا مسلمانوں کو ان کے حقوق سے محروم کرنے کی کوشش کی اور اُن کی تہذیب، ثقافت اور زبان کو نقصان پہنچایا۔

ii- اُردو ہندی تنازعہ

برصغیر میں مسلمانوں کے دورِ حکومت میں فارسی کو سرکاری زبان کا درجہ حاصل رہا۔ بعدازاں اردو زبان ابھری اور سرکاری دفاتر میں تمام کارروائی اردو میں ہونے لگی۔ جنگ آزادی کے خاتمے کے بعد ہندوؤں نے اردو کے خلاف سازش شروع کردی اور چاہا کہ اردو کی بجائے ہندی کو سرکاری زبان کا مقام حاصل ہوجائے۔ ہندی دیوناگری رسم الخط میں لکھی جاتی ہے جب کہ اردو کا رسم الخط فارسی اور عربی سے متاثر ہے۔ بنارس سے ہندی کے حق میں 1867ء میں ایک تحریک اٹھی تو سرسیّد کو بہت دکھ ہوا۔ انھوں نے کہا کہ اگر ہندو اس معمولی سی بات کو بھی برداشت نہیں کرسکتے تو آگے چل کر یہ دونوں قومیں اکٹھی نہیں ہوسکتیں۔ چنانچہ انھوں نے اردو کے دفاع میں ایسوسی ایشن بنائی، سرکاری لوگوں سے ملے اور اردو کو تباہ کرنے کی ہندو مہم کے برے اثرات سے انھیں آگاہ کیا۔ اردو ہندی تنازعہ مسلم ہندو اختلافات کا بنیادی باعث بنا۔ راستے الگ الگ ہوگئے۔ اس سے پہلے سرسیّد ہندوؤں اور مسلمانوں کے اتحاد کے داعی تھے۔ مگر اب مجبوراً وہ صرف مسلمانوں کی بات کرنے لگے۔ بنارس کے کمشنر مسٹر شیکسپیئر سے ایک ملاقات میں سرسیّد نے پیش گوئی کی کہ اردو ہندی تنازعہ ہندو مسلم اتحاد کو ختم کردے گا اور دونوں قوموں کے درمیان اختلافات کی وسیع خلیج حائل ہوجائے گی۔

iii- برٹش انڈین ایسوسی ایشن

1866ء میں سرسیّد نے برصغیر کے عوام کے حقوق کے لیے ایک تنظیم "برٹش انڈین ایسوسی ایشن" کے نام سے بنائی۔ تنظیم کے ذریعے برطانوی حکومت سے تعاون بڑھانے کا فیصلہ کیا گیا اور کہا گیا کہ مقامی آبادی میں وفاداریوں کے جذبات کو بڑھایا جائے گا۔ اس تنظیم کے پہلے صدر ایک ہندو راجہ جے کشن داس اور سیکرٹری سرسیّد احمد خاں تھے۔ اسی تنظیم کی طرز پر ایک اور تنظیم "انڈین پیٹریاٹک ایسوسی ایشن" کے نام سے تخلیق کی گئی۔

iv- ولیم ہنٹر کی تصنیف

ڈبلیوڈبلیو ہنٹر (William Wallace Huntre) نے برصغیر کے مسلمانوں پر 1857ء کے بعد گزرنے والے حالات کی تصویر کشی اپنی کتاب Our Indian Muslims میں کی اور اُن اسباب پر روشنی ڈالی جو جنگ آزادی کا باعث بنے تھے۔ سرسیّد نے ہنٹر کی کتاب پر تبصرہ لکھا۔ اگرچہ کتاب کے زیادہ تر حصے میں مسلمانوں کے لیے مثبت نقطہ نظر پیش کیا گیا تھا لیکن کہیں کہیں مسلم قوم کے خلاف بھی مواد شامل تھا۔ سرسیّد نے مسلمانوں کے خلاف اٹھائے جانے والے نکات کی وضاحت کر کے اپنے تبصرے میں مسلمانوں کی موئثر وکالت کی۔

v- انڈین نیشنل کانگرس

1883ء میں لارڈ ڈفرن (Lord Dafrin) اور اے۔او۔ ہیوم (A.O. Hume) کی کوششوں سے برصغیر کی پہلی مکمل سیاسی جماعت "انڈین نیشنل کانگرس" قائم کی گئی۔ سرسیّد کو بھی اس کی رکنیت اختیار کرنے کی دعوت دی گئی لیکن انھوں نے صاف انکار کر دیا۔ وہ کانگرس کی مستقبل کی سرگرمیوں کے حوالے سے فکرمند تھے۔ کانگرس بنی تو اس کی قیادت میانہ رو افراد کے ہاتھوں میں تھی۔ سرسیّد کو خدشہ تھا کہ رفتہ رفتہ انتہا پسند لوگ کانگرس پر چھا جائیں گے اور اس کی حکمت عملی ایک نئی جنگ آزادی کو جنم دے گی۔ سرسیّد مسلمانوں کو سیاست سے دور رکھنا چاہتے تھے۔ اس لیے انھوں نے مسلمانوں کو کانگرس میں شرکت سے گریز کا مشورہ دیا۔ سرسیّد کی پیش گوئی درست ثابت ہوئی اور انگریزوں کی پروردہ انڈین نیشنل کانگرس کی بیسویں صدی کے اوائل میں قیادت انتہا پسند ہندوؤں کے ہاتھوں میں چلی گئی جس نے مسلمانوں کے مفادات کو پس پشت ڈال دیا۔

vii- حکومت سے تعاون

سرسیّد مسلمانوں اور انگریزوں کے درمیان دوری کو کم کرنا چاہتے تھے اس لیے انھوں نے مفاہمت اور تعاون کی پالیسی اختیار کی۔ رسالہ اسباب بغاوت ہند لکھ کر مسلمانوں کی زبردست وکالت کی۔ انگریز حکومت کو مسلمانوں کی وفاداریوں کا یقین دلایا اور مسلمانوں کے لیے ملک بھر میں بہتر حالات کار پیدا کرنے کی کامیاب کوشش کی۔

viii- دوقومی نظریہ

سرسیّد نے مسلمانوں کو ایک علیحدہ قوم کہا اور حکومت کو باور کرایا کہ برصغیر میں کم از کم دو قومیں آباد ہیں۔ ایک مسلمان اور دوسرے غیر مسلم۔ مسلمان ہر لحاظ سے ایک علیحدہ قوم ہیں کیونکہ اُن کی تہذیب، ثقافت، زبان، رسوم و رواج اور زندگی کا فلسفہ ہندوؤں سے جدا ہے۔ مسلمان اپنے مذہب کی وجہ سے بالکل منفرد اور جداگانہ پہچان رکھتے ہیں مسلمانوں کے ایک مکمل قوم کا تصور حضرت مجدد الف ثانیؒ، شاہ ولی اللہؒ اور سیّد احمد شہیدؒ نے بھی دیا تھا لیکن "دوقومی نظریہ" کی اصطلاح سب سے پہلے سرسیّد نے استعمال کی۔ اس نظریہ نے

مسلمانوں میں نیا شعور ابھارا اور وہ اپنے لیے جداگانہ راہیں تلاش کرنے لگے حتیٰ کہ 1940ء میں قرارداد پاکستان کے ذریعے اپنے لیے علیحدہ آزاد مملکت کا مطالبہ پیش کردیا۔

ix- لوکل کونسلیں

مقامی خوداختیاری گورنمنٹ کے نام سے لوکل کونسلوں کا ایک نظام انگریز حکومت نے 1883ء میں متعارف کرایا۔ بالغ حق رائے دہی کی بنیاد پر انتخابات ہوئے تو نتائج مسلمانوں کے حوالے سے بڑے حوصلہ شکن تھے۔ ہندو اپنی تعداد کی وجہ سے کونسلوں پر چھاگئے۔ مسلمانوں کو اُن کی آبادی کے تناسب کے مطابق نشستیں حاصل نہ ہوسکیں تو سرسیّد نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ تمام کونسلوں میں مسلمانوں کے لیے جداگانہ انتخاب کا حق تسلیم کرتے ہوئے نشستیں مخصوص کی جائیں اور ان پر مسلمانوں کو نامزد کیا جائے۔ حکومت نے یہ مطالبہ تسلیم کرتے ہوئے مسلم قوم کے لیے ہر کونسل میں علیحدہ نشستیں مخصوص کردیں۔

x- پارلیمانی نظام کا کانگرسی مطالبہ

انڈین نیشنل کانگرس نے برطانوی حکومت سے مطالبہ کیا کہ برصغیر میں بھی برطانوی طرز کا پارلیمانی نظام رائج کیا جائے۔ مرکزی اور صوبائی حکومتیں تشکیل دی جائیں۔ بظاہر یہ مطالبہ جمہوریت کی طرف جانے والا ایک خوبصورت قدم لگ رہا تھا لیکن سرسیّد نے ہندو عزائم کو بھانپ کر اس مطالبہ کی مخالفت شروع کردی۔ آپ نے کہا کہ برصغیر ایک ملک نہیں اور نہ یہاں ایک قوم بستی ہے۔ برطانوی پارلیمانی طرز کا نظام برصغیر میں رائج کیا گیا تو یہاں اکثریت کی اجارہ داری اور آمریت قائم ہوجائے گی جو مسلمانوں کو غلام بنادے گی۔ سرسیّد کا مدلّل نقطہ نظر سمجھ لیا گیا اور حکومت ہندوستان میں پارلیمانی نظام متعارف کرانے سے باز رہی۔

xi- محمڈن ڈیفنس ایسوسی ایشن

ہندو مسلم اختلافات کی وجہ سے سیاسی مسائل جنم لے رہے تھے۔ مقامی کونسلوں میں مسلم نمائندگی، مقابلے کا امتحان، پارلیمانی نظام کا مطالبہ اور اردو کو ختم کرکے ہندی کو لانے کی کوششوں کی وجہ سے سرسیّد کو ایک مسلم سیاسی تنظیم کے وجود کی ضرورت محسوس ہوئی اور انھوں نے ''محمڈن ڈیفنس ایسوسی ایشن'' بنائی۔ یوں تو محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس بھی سیاسی ضرورتوں کے لیے استعمال ہورہی تھی لیکن پھر بھی ایک کل وقتی سیاسی انجمن کا قیام لازم سمجھا گیا۔ ایسوسی ایشن مسلمانوں کی جداگانہ قومی حیثیت منوانے کے لیے کوشاں رہی۔

xii- قانون ساز اسمبلی میں نمائندگی

سرسیّد کی تجویز پر برصغیر کی قانون ساز اسمبلی میں مقامی باشندوں کو بھی نشستیں دی گئیں تاکہ حکومت اور عوام کے درمیان رابطے موجود رہیں اور عوامی مسائل سے حکومت کو آگاہ کیا جاتا رہے۔ حکومت نے اسمبلی میں مختلف قوموں کے نمائندے نامزد کردیئے۔ خود سرسیّد 1878ء سے 1882ء تک قانون ساز اسمبلی کے ممبر رہے۔ اسمبلی کے اندر اور باہر سرسیّد اپنا کردار نبھاتے رہے۔ آپ نے البرٹ بل کی بھی مخالفت کی جس کی رو سے کسی یورپین کے خلاف مقدمات کی سماعت کا اختیار مقامی ججوں کو دینے سے انکار کیا گیا۔ سرسیّد کی مخالفت کی وجہ سے البرٹ بل کو حکومت نے ختم کردیا۔

xiii- مقابلے کا امتحان

کانگرس اور ہندو قوم نے حکومت سے مطالبہ شروع کردیا کہ مقامی باشندوں کو انڈین بیوروکریسی میں شامل کیا جائے اور اس کے

لیے مقابلے کا امتحان منعقد ہو۔ بظاہر یہ بڑی خوبصورت بات تھی اور سارے برصغیر کو اس مطالبہ کا ساتھ دینا چاہیے تھا لیکن سرسیّد کی دوررس نگاہوں نے بھانپ لیا کہ یہ اقدام مسلمانوں کے لیے ضرررساں ہوگا۔ ہندو زیادہ پڑھے لکھے تھے اور مقابلے کے امتحان میں انھیں اُن کی آبادی کے تناسب سے کہیں زیادہ نشستیں ملنے کی توقع تھی۔ انھوں نے مطالبے کے مضمرات کو دیکھتے ہوئے اس کی شدت سے مخالفت کی کیونکہ مسلم نوجوانوں کو اُن کا متناسب حصہ ملنے کا کوئی امکان نہ تھا۔ سرسیّد نے تناسب کے مطابق مسلمانوں کے لیے ملازمتوں میں کوٹہ مقرر کرنے کا مطالبہ کر دیا۔

xiv- سرسیّد کی خدمات کا جائزہ

سرسیّد نے سیاسی، مذہبی، معاشی، معاشرتی، ادبی اور تعلیمی میدانوں میں مسلمانوں کے حقوق کا بڑی ہی کامیابی سے دفاع کیا۔ آپ کے بارے میں مولوی عبدالحق نے لکھا ہے۔

''حق یہ کہ قومیت کا خیال بھی اُسی کا پیدا کیا ہوا تھا۔ اگر اس کی زندگی کا بغور مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ قصرِ پاکستان کی بنیاد میں پہلی اینٹ اسی مردِ پیر نے رکھی تھی۔''

آل انڈیا مسلم لیگ 1906ء (All India Mulim League 1906)

آل انڈیا مسلم لیگ کا قیام *1906*ء میں ڈھاکہ میں عمل لایا گیا۔ محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا سالانہ اجلاس ڈھاکہ میں منعقد ہوا۔ اجلاس کے اختتام پر نواب سلیم اللّٰہ خاں (نواب آف ڈھاکہ) نے حاضرین سے خطاب کیا اور نواب وقار الملک کی صدارت میں خصوصی اجلاس کا اہتمام کیا گیا۔ نواب سلیم اللّٰہ خاں نے وقت کی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے تجویز پیش کی مسلمانوں کے لیے ایک مستقل سیاسی جماعت تشکیل دینی چاہیے۔ اجلاس میں موجود تمام شرکا نے متفقہ طور پر تجویز کو قبول کر لیا اور آل انڈیا مسلم لیگ قائم کر دی گئی۔ اس اجلاس میں نواب وقار الملک، نواب سلیم اللّٰہ خاں، مولانا محمد علی جوہر، حکیم اجمل خاں، مولانا ظفر علی خاں، نواب سمیع اللّٰہ خاں اور جسٹس شاہ دین نے بھی شرکت کی۔

سرسیّد نے مسلمانوں کو سیاست سے دور رہنے کی نصیحت کی تھی۔ اس پر انیسویں صدی میں پوری طرح عمل کیا گیا لیکن بیسویں صدی کے آغاز کے ساتھ ایسے حالات وقوع پذیر ہوئے کہ مسلمانوں کو اپنی علیحدہ سیاسی جماعت بنانے کا تاریخی فیصلہ کرنا پڑا۔

مسلم لیگ کے قیام کا پس منظر

درج ذیل عوامل آل انڈیا مسلم لیگ کے قیام کا باعث بنے۔

i- انڈین نیشنل کانگرس

*1885*ء میں انڈین نیشنل کانگرس قائم ہو چکی تھی اور اس پر بیسویں صدی کے آغاز میں انتہا پسند ہندوؤں کا غلبہ ہو چکا تھا۔ کانگرس ہندو فرقہ پرستوں کے ہاتھوں میں کھیل رہی تھی اور اس کی کوشش تھی کہ پورے ملک میں اکثریت کی حکومت قائم ہو جائے۔ مسلم لیڈروں نے کانگرس کے اثرات کا جائزہ لیا اور مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے آل انڈیا مسلم لیگ کے قیام کا فیصلہ کیا۔

ii- متعصب ہندو تحریکیں

انیسویں صدی کے آخر میں ہندوؤں میں کئی انتہا پسند اور متعصب تحریکیں آریہ سماج اور ہندو مہا سبھا وغیرہ پیدا ہوئیں۔ یہ سب رام راج کے قیام کا خواب دیکھ رہی تھیں اور انھوں نے مسلم مخالف پالیسیاں اختیار کر لی تھیں۔ ان کی سرگرمیوں کا مقابلہ کرنا بھی لازمی تھا۔

iii- اردو ہندی تنازعہ

اُردو کی جگہ ہندی کو سرکاری زبان کا درجہ دلانے کی ہندوؤں کی کوششیں مسلمانوں کو غور و فکر کرنے پر مجبور کرنے لگیں۔ انھوں نے اپنی زبان، ثقافت اور تہذیب کے دفاع کے علاوہ سیاسی میدان میں بھی اپنے حقوق کا دفاع ضروری سمجھتے ہوئے آل انڈیا مسلم لیگ بنانے کا فیصلہ کیا۔ ہندوؤں کی تنظیمیں ہندی کے حق میں اپنا پورا زور صرف کر رہی تھیں۔ دیوناگری رسم الخط اختیار کر لیا جاتا تو مسلمانوں کے ثقافتی ورثہ اور معاشی و معاشرتی حیثیت کو بہت نقصان پہنچتا۔ اس چیلنج کا مقابلہ کرنے کے لیے مسلمانوں کی علیحدہ سیاسی جماعت بنانے کی سوچ کو عملی جامہ پہنایا گیا۔

iv- تقسیم بنگال

انگریز حکومت نے 1905ء میں بنگال کے وسیع و عریض صوبے کو دو صوبوں میں تقسیم کر دیا۔ مقصد انتظامی اصلاح تھا لیکن ہندوؤں نے اسے ہندو دشمنی سے تعبیر کیا۔ یہ اتفاق تھا کہ تقسیمِ بنگال کے بعد نئے صوبے مشرقی بنگال میں مسلمانوں کو بہت فوائد حاصل ہوئے۔ مشرقی صوبے میں مسلمان اکثریت میں تھے۔ انھیں ہر شعبے میں ترقی کے امکانات نظر آئے۔ ڈھاکہ میں یونیورسٹی، ہائی کورٹ، بورڈ آف ریونیو اور دیگر حکومتی ادارے بنا دیے گئے جس سے مسلمانوں کو تعلیمی، عدالتی، انتظامی اور معاشی فوائد حاصل ہوئے۔ ہندو تاجر، ہندو وکلا اور ہندو زمیندار تقسیم بنگال کے خلاف صف آرا ہو گئے۔ ہندو ردِ عمل سے مسلمانوں کو سیاسی طور پر منظم ہونے کا پیغام ملا اور آل انڈیا مسلم لیگ تخلیق کی گئی۔

v- ہندو قیادت

بیسویں صدی میں ہندوؤں کی قیادت متوازن اور روشن خیال افراد کے ہاتھوں سے نکل کر مسلم دشمن، فرقہ پرست اور متعصب شخصیتوں کے ہاتھ میں آ گئی جن میں مدن موہن مالویہ، بال گنگا دھر تلک اور سریندر ناتھ بینر جی وغیرہ شامل تھے جو ہندوؤں کو مسلمانوں کے خلاف ابھارتے تھے۔ ان کی سرگرمیوں کے مقابلے کے لیے مسلمانوں نے ایک مرکزی سیاسی جماعت بنانے کی تجویز منظور کی۔

vi- شملہ وفد

سیکرٹری برائے امور ہند لارڈ مارلے نے پارلیمنٹ میں تقریر کرتے ہوئے اعلان کیا کہ برصغیر میں جلد سیاسی اصلاحات متعارف کرائی جائیں گی اور سیاسی اداروں میں مقامی باشندوں کو نمائندگی دی جائے گی۔ مسلمانوں نے اپنے لیے متناسب نمائندگی کے حصول کی خاطر لارڈ منٹو، وائسرائے ہند سے ایک وفد کی صورت میں جا کر 1906ء میں ملاقات کی۔ شملہ وفد نے مسلمانوں کے لیے جداگانہ انتخابی طریقے کا مطالبہ کیا۔ لارڈ منٹو کا جواب خاصا حوصلہ افزا تھا۔ اپنے حقوق کے تحفظ کے لیے مسلمانوں نے اپنی مستقل سیاسی جماعت قائم کرنے کا فیصلہ کیا اور آل انڈیا مسلم لیگ کو وجود ملا۔

آل انڈیا مسلم لیگ کے قیام کے مقاصد

اجلاس میں نواب وقار الملک نے اپنا صدارتی خطبہ پڑھا۔ مسلم لیگ کے قیام کی قرارداد پیش ہوئی جسے منظور کر لیا گیا۔ نواب سلیم اللہ خاں کی قرارداد میں جماعت کے اغراض و مقاصد بھی بیان کیے گئے۔

i- مسلمانوں اور انگریز حکومت کے درمیان مفاہمت کی فضا پیدا کرنا اور مسلمانوں میں حکومت کے لیے وفاداری کے جذبات کو فروغ دینا۔

ii- ہندوستان کے مسلمانوں کے حقوق و مفادات کا تحفظ کرنا اور ان کے مطالبات کو حکومت کے سامنے پیش کرنا۔

iii- مندرجہ بالا مقاصد کو نقصان پہنچائے بغیر مسلمان اور دوسری اقوام کے درمیان مفاہمت پیدا کرنا۔

مسلم لیگ کی تنظیم

☆ 60 افراد پر مبنی ایک ورکنگ کمیٹی تشکیل دی گئی۔

☆ سر آغا خاں کو آل انڈیا مسلم لیگ کا صدر بنایا گیا۔

☆ سیّد حسین بلگرامی سیکرٹری کے عہدے کے لیے چنے گئے۔

☆ محسن الملک اور وقار الملک جائنٹ سیکرٹری بنائے گئے۔

☆ مسلم لیگ کی ایک برانچ لندن میں بھی قائم کی گئی۔ اس کا سربراہ سیّد امیر علی کو بنایا گیا۔

آل انڈیا مسلم لیگ

☆ جداگانہ انتخابی طریقہ 1909ء کے ایکٹ میں شامل کروا کے ایک عظیم کامیابی حاصل کی۔

☆ مختلف صوبوں میں ہائی کورٹوں کے ججوں کے طور پر مسلمانوں کی تعیناتی۔

☆ وزیر امور ہند کی کونسل میں ایک مسلمان شامل کروایا گیا جس کا نام سیّد حسین بلگرامی تھا۔

☆ اوقاف ایکٹ کو حتمی شکل دلوائی گئی۔

میثاق لکھنؤ 1916ء (Luckhnow Pact 1916)

آل انڈیا مسلم لیگ اور انڈین نیشنل کانگرس کے مابین 1916ء میں ایک معاہدہ لکھنؤ طے پایا۔ یہ معاہدہ دو جماعتوں اور دو قوموں کے درمیان تھا جس کی بہت زیادہ سیاسی اہمیت تسلیم کی گئی۔ معاہدہ لکھنؤ قائداعظمؒ کی فراست اور سیاست کا ایک عظیم کارنامہ تھا۔

پس منظر

☆ 1906ء میں آل انڈیا مسلم لیگ قائم ہوئی اور اس کی کوششوں سے 1909ء کی منٹو مارلے اصلاحات میں مسلمانوں کو جداگانہ انتخاب کا حق دے دیا گیا۔

☆ 1911ء میں تقسیم بنگال کو انگریز حکومت نے ختم کر کے مشرقی اور مغربی بنگال کو دوبارہ ایک صوبے میں مدغم کر دیا جس سے مسلمانوں کی بہت زیادہ دل شکنی ہوئی۔

☆ کانپور کی مسجد کو منہدم کر دیا گیا جس کے خلاف مسلمانوں نے زبردست مظاہرے کیے اور غم و غصے کا اظہار کیا گیا۔

☆ طرابلس (موجودہ لیبیا) پر اٹلی نے حملہ کر کے قبضہ کر لیا۔

☆ بلقان ریاستوں میں ترکی کے خلاف بغاوتیں ہوئیں۔ انگریزوں نے باغیوں کا ساتھ دیا تو برصغیر کے مسلمانوں کو بہت دکھ پہنچا۔

☆ 1913ء میں قائداعظم محمد علی جناحؒ نے مسلم لیگ کی رکنیت اختیار کی تو اُن کے زیرِ اثر آل انڈیا مسلم لیگ کے منشور میں انقلابی تبدیلیاں لائی گئیں۔ قائداعظمؒ نے ہندو مسلم اتحاد کے لیے بڑا اہم کردار ادا کیا۔ ہندوؤں میں بعض لیڈروں نے اُن کا بھرپور ساتھ دیا۔ گوکھلے اور ایس پی سنہا ان میں نمایاں تھے۔

☆ حکومت کے خلاف مسلمانوں کے رویے کو مولانا محمد علی جوہر کے اخبارات ''کامریڈ'' اور ''ہمدرد''، مولانا ابوالکلام آزاد کے اخبار ''الہلال'' اور مولانا ظفر علی خاں کے اخبار ''زمیندار'' نے بہت حد تک تبدیل کر دیا۔

☆ 1911ء میں الٰہ آباد کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس میں ہندو مسلم یکجہتی کی ضرورت کو محسوس کیا گیا۔ دونوں جماعتوں کے بڑے بڑے لیڈر کانفرنس کے شرکاء میں شامل تھے۔ آغا خاں، قائداعظمؒ، مولانا محمد علی جوہر، وقار الملک اور حکیم اجمل خاں نے مسلمانوں کی جبکہ گوکھلے، سریندر ناتھ بینرجی، ایس پی سنہا اور موتی لال نہرو نے ہندوؤں کی نمائندگی کی۔ کانفرنس میں دونوں جماعتوں کو باہم تعاون پر آمادہ کرنے پر زور دیا گیا۔

☆ 1915ء میں دونوں سیاسی جماعتوں کے اجلاس بیک وقت بمبئی (ممبئی) میں بلائے گئے۔ قائداعظمؒ کی کوششوں سے دونوں جماعتوں کے لیڈروں نے ہندو مسلم اتحاد اور مشترکہ لائحہ عمل اختیار کرنے کا فیصلہ کیا۔ انھوں نے مستقبل کے دستور کے لیے متفقہ خدوخال اپنانے کی بات کی اور دونوں جماعتوں کے لیڈروں نے آئندہ ہونے والے اجلاس سے پہلے کوئی فارمولا اخذ کرنے کے لیے کام شروع کرنے کا عزم کیا۔

اجلاس لکھنؤ

1916ء میں دونوں جماعتوں کے سالانہ اجلاس لکھنؤ میں طلب کیے گئے۔ مسلم لیگ کا اجلاس قیصری باغ میں منعقد ہوا۔ قائداعظمؒ نے صدارت کے فرائض انجام دیے۔ کانگرس کے اجلاس کے صدر موجمدار تھے۔ دونوں نے اپنے اپنے خطبوں میں ہندو مسلم اختلافات کو ختم کرنے اور دستور کی تشکیل کے حوالے سے بنیادی نکات پر متفق ہونے کی حمایت کی۔ اجلاسوں کے دوران انڈین نیشنل کانگرس اور آل انڈیا مسلم لیگ کی ایک مشترکہ کمیٹی ترتیب دی گئی۔ کمیٹی نے ایک مشترکہ فارمولا منظور کر لیا۔ فارمولے کی توثیق دونوں جماعتوں کی ورکنگ کمیٹیوں نے کر دی۔ اسی فارمولے کے مطابق میثاق لکھنؤ کی شرائط طے پائیں۔

بنیادی نکات

1- مرکزی اسمبلی

مرکزی اسمبلی کے کل ارکان 150 ہوں گے۔ 4/5 کا انتخاب کیا جائے گا اور 1/5 کو حکومت نامزد کرے گی۔ مسلمان ارکان کی تعداد 1/3 ہوگی۔ اسمبلی کی معیاد 5 سال ہوگی۔

2- صوبائی اسمبلیاں

ہر صوبائی اسمبلی کے کل ارکان 4/5 منتخب کیے جائیں گے اور 1/5 نامزد ہوں گے۔ ہر اسمبلی میں مسلمانوں کے لیے جداگانہ نشستیں رکھی جائیں گی۔ صوبائی اسمبلیوں میں مسلم نشستیں یوں متعین ہوں گی۔ پنجاب 50 فیصد، بنگال 40 فیصد، یوپی 30 فیصد، مدراس

15 فیصد، بمبئی (ممبئی) 33 فیصد، سی پی 15 فیصد اور بہار 25 فیصد۔

3- جداگانہ انتخابات

مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات جداگانہ بنیادوں پر ہوں گے۔ مسلمان ووٹر صرف مسلمان نشستوں کے لیے ووٹ دیں گے اور ان نشستوں پر مسلمان ہی امیدوار بن سکیں گے۔ 1909ء کی اصلاحات میں مسلمانوں کو جداگانہ انتخابات کا حق ملا تھا۔ کانگرس نے اس کی توثیق کر دی۔

4- اضافی نشستوں (Weightage) کا اصول

اس اصول کے تحت اقلیتوں کو مؤثر نمائندگی دینے کے لیے انھیں ان کی تعداد سے زیادہ نمائندگی دی گئی مثلاً پنجاب اور بنگال میں مسلمانوں کی تعداد تقریباً 55 فی صد تھی لیکن انھیں بالترتیب 50 اور 40 فیصد نمائندگی دی گئی تاکہ غیر مسلم اقلیتوں کو زیادہ نمائندگی دی جائے جبکہ دوسرے صوبوں میں مسلمانوں کو ان کی تعداد کے تناسب سے زیادہ نشستیں ملیں۔

5- حق استرداد (ویٹو اختیار)

فیصلہ ہوا کہ اگر کسی مسودہ قانون کو کسی فرقہ کے نمائندوں کا 3/4 نامنظور کریں گے تو ایسا مسودہ ایوان میں پیش نہیں کیا جائے گا۔ یوں اقلیتوں کو اپنے حقوق کا تحفظ مل گیا۔

6- قانون ساز اسمبلیوں کے اختیارات

مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں کے ارکان کے اختیارات میں اضافے کا فیصلہ کیا گیا۔ انھیں مالیات پر بھی کنٹرول ہو گیا۔ ارکان کو ضمنی سوالات پوچھنے کی اجازت دینے کی تجویز منظور کی گئی۔ یہ بھی کہا گیا کہ صوبائی اسمبلی انتظامی معاملات کے بارے میں قرارداد منظور کر سکے گی اور انتظامیہ کا فرض ہوگا کہ قرارداد پر عمل درآمد کرے۔ اگر گورنر قرارداد کو ویٹو کر دے اور اسمبلی ایک سال کے بعد دوبارہ اُس قرارداد کو منظور کر لے تو انتظامیہ بہر صورت قرارداد پر عمل پیرا ہوگی۔

7- مرکزی انتظامیہ

مرکز میں انتظامی سربراہ گورنر جنرل ہوگا جسے برطانوی حکمران مقرر کرے گا۔ اُسے ایک انتظامی کونسل کا تعاون حاصل ہوگا جس کے آدھے ارکان کا تعلق برصغیر سے ہوگا۔

8- صوبائی انتظامیہ

ہر صوبے میں برطانوی تاج کی طرف سے صوبائی گورنر انتظامی مشینری کا سربراہ ہوگا اور تمام کاموں کی نگرانی کرے گا۔ اُس کی مدد کے لیے ایک انتظامی کونسل تشکیل پائے گی جس کے آدھے ارکان کا تعلق متعلقہ صوبے سے ہوگا۔ کونسل کی میعاد پانچ سال ہوگی اور اسے ہندوستانی ارکان صوبائی اسمبلی کے ارکان کے ووٹوں سے چنیں گے۔

میثاق لکھنؤ پر تنقید

برصغیر کے معتدل رویہ کے مالک تمام سیاستدانوں نے معاہدہ لکھنؤ کو تسلیم کیا اور اس کی تعریف کی۔ معاہدے کو ہندو مسلم اتحاد کی معراج کہا گیا البتہ فرقہ پرست ہندو لیڈروں نے معاہدے پر کڑی تنقید کی۔ ان میں لالہ لاجپت رائے، سوامی شردھانند اور مدن موہن مالویہ

سرفہرست تھے۔

پنجاب اور بنگال میں مسلم اکثریت کو اقلیت میں بدل دیا گیا تھا۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ اور چوہدری خلیق الزمان نے اس فیصلے کو مسلمانوں کے مفادات کے منافی قرار دیا۔ مولانا ظفر علی خاں نے بھی معاہدے کے خلاف رائے کا اظہار کیا۔ بنگالی مسلم راہنماؤں نے بھی معاہدے کی اس شق کو تنقید کا نشانہ بنایا جس کی رو سے بنگالی مسلمانوں کو آبادی کے تناسب سے کم نشستیں دی گئی تھیں۔

معاہدہ لکھنؤ کی اہمیت

1۔ معاہدہ لکھنؤ قائداعظمؒ کی دُوراندیشی، سیاسی بصیرت اور فہم وفراست کا عمدہ نمونہ قرار دیا جاتا ہے۔ گھوکھلے اور سروجنی نائیڈو نے انھیں "ہندو مسلم اتحاد کا سفیر" کہا۔ قائداعظمؒ مسلمانوں کے حق میں بہت سے مفید فیصلے کروانے میں کامیاب ہوگئے۔ ہر قوم کو 1932ء میں آبادی کے تناسب کے مطابق نشستیں دے دی گئیں۔ آج معاہدہ کو درحقیقت مسلمانوں کی کامیابی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

2۔ معاہدہ کی رو سے انڈین نیشنل کانگرس نے مسلم لیگ کو مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت کی حیثیت سے تسلیم کرلیا۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ سچائی بھی کھل کر سامنے آ گئی کہ انڈین نیشنل کانگرس صرف ہندوؤں کی نمائندہ جماعت ہے۔

3۔ جداگانہ انتخابی طریقہ کو مان کر انڈین نیشنل کانگرس نے مسلمانوں کو ایک مکمل اور علیحدہ قوم تسلیم کرلیا اور یہ امر 1947ء میں قیام پاکستان کی بنیاد بن گیا۔

4۔ مسلم لیگ ایک عظیم سیاسی قوت بن کر ابھری اور آنے والے ادوار میں اُس نے بہت بڑا کردار ادا کرتے ہوئے دنیا کے نقشے پر ایک نئے ملک کو وجود بخشا۔

تحریک خلافت 1919ء (Khilafat Movement 1919)

پہلی جنگ عظیم میں ترکی نے جرمنی اور آسٹریا کا ساتھ دیتے ہوئے انگلستان، فرانس، روس اور امریکہ کے خلاف حصہ لیا۔ اُن دنوں ترکی میں سربراہ مملکت کو خلیفہ کہا جاتا تھا۔ خلافت کا ادارہ بڑا مقدس اور اہم سمجھا جاتا تھا اور خلیفہ کو حضور پاک صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کا جانشین مانا جاتا تھا۔ جنگ میں ترکی کی شکست کے امکانات پیدا ہوئے تو برصغیر کے مسلمانوں میں مایوسی پھیل گئی۔ انھیں خطرہ محسوس ہوا کہ ترکی کی خلافت کو ختم کردیا جائے گا۔ خلافت سے مسلمانوں کی جذباتی وابستگی ایک عظیم تحریک کو جنم دینے کا باعث بنی۔ مسلمان بڑے بے چین تھے۔ حکومت برطانیہ نے ابتدا میں یقین دہانی کرائی کہ ترکوں کو اُن کے مرکز سے محروم نہیں کیا جائے گا اور نہ ترکی سے اُس کے علاقے چھینے جائیں گے۔ برطانیہ اپنے وعدوں پر قائم نہ رہا اور جنگ میں برتری حاصل کرنے کے بعد ترکی اور ترکوں کو تباہ کرنے کے درپے ہوا۔ برصغیر میں مسلمان بھڑک اٹھے اور انھوں نے خلافت کے تحفظ کے لیے 1919ء میں اپنی سرگرمیوں کا آغاز کردیا۔

i- مجلس خدامِ کعبہ

پورے برصغیر میں عوام وخواص منظم ہونا شروع ہوئے۔ مذہبی راہنماؤں نے مجلس خدام کعبہ کے نام سے ایک تنظیم بنائی۔ قیادت کے فرائض مولانا شوکت علی، مشیر حسین قدوائی، مولانا عبدالباری فرنگی محلی اور مولانا سعید احمد نے ادا کیے۔ ایک بڑی تحریک ریشمی رومال کے نام سے شروع کی گئی جس میں مولانا محمود الحسن اسیر مالٹا اور مولانا عبید اللہ سندھی نے نمایاں حصہ لیا۔ انگریز حکومت

نے پکڑ دھکڑ کا سلسلہ شروع کر دیا۔ مولانا محمود الحسن کو گرفتار کر کے بحیرہ روم کے ایک جزیرے مالٹا میں قید کر دیا گیا۔

ii- خلافت کمیٹی

مجلس خدام کعبہ نے اپنی سرگرمیاں جاری رکھی ہوئی تھیں کہ علی برادران نے ایک اور تنظیم خلافت کمیٹی کے نام سے تشکیل دے دی۔ اس کمیٹی میں مولانا حسرت موہانی، مولانا عبدالباری، مولانا ابوالکلام آزاد، ڈاکٹر انصاری اور حکیم اجمل خاں کو خصوصی طور پر شریک کیا گیا۔ خلافت کمیٹی نے پورے برصغیر میں تحریک شروع کی۔ جلسے اور جلوس نکالے گئے۔ ترکوں کی مدد کے لیے قراردادیں منظور کی گئیں۔ خلافت کمیٹی کے تحت تمام شہروں میں چھوٹی چھوٹی کمیٹیاں بنادی گئیں اور احتجاج ملک گیر صورت اختیار کر گیا۔ تحریک خلافت رفتہ رفتہ زور پکڑتی گئی اور ملک بھر میں تمام دیگر سرگرمیوں پر چھا گئی۔ مسلمانوں نے باقی تمام امور بالائے طاق رکھتے ہوئے خلافت ترکی کے تحفظ کے لیے اپنی تمام تر قوتیں استعمال کرنا شروع کر دیں۔ تحریک دن بدن پھیلتی گئی۔ دیوبند اور ندوۃ العلما سے کارکنوں کے جلوس نکلے اور خلافت کے حق میں جاری تحریک کو زیادہ موثر بنا دیا۔ خلافت کمیٹی کی روحِ رواں علی برادران تھے۔

تحریک کے مقاصد

1۔ ترکی میں خلافت کا ادارہ قائم رہے اور خلیفہ کی حیثیت کو برقرار رکھا جائے۔
2۔ حجاز مقدس میں غیر مسلم افواج کے داخلے کی مخالفت کی تاکہ مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ سمیت تمام مقامات مقدسہ کا احترام قائم رہے۔
3۔ ترکی سے اس کے علاقے نہ چھینے جائیں۔ ترکی کی جغرافیائی حدود میں کوئی ردوبدل نہ کیا جائے اور جنگ عظیم اول سے پہلے والی پوزیشن قائم کر دی جائے۔

iii- تحریک خلافت اور گاندھی

ادھر تحریک خلافت زور پکڑ رہی تھی اُدھر گاندھی کی اپنی تحریکیں بھی جاری تھیں۔ گاندھی نے تحریک ترک موالات، سول نافرمانی کی تحریک اور تحریک عدم تعاون کے ذریعے برصغیر میں انگریز حکومت کو کمزور کرنے کی پالیسی اختیار کی ہوئی تھی۔ تحریک خلافت کو عروج حاصل ہوا تو گاندھی اپنی سیاسی جماعت یعنی انڈین نیشنل کانگرس سمیت مسلمانوں کے کندھوں سے کندھا ملا کر جدوجہد کرنے لگا۔ گاندھی کو اپنی تحریکوں کی کامیابی کے لیے نوجوان مسلمانوں کی ضرورت تھی۔ تحریک خلافت کی حمایت کر کے اُسے پرجوش مسلمانوں کی مدد حاصل ہو گئی اور اُس کی تحریکوں میں بھی جوش و خروش پیدا ہو گیا۔ ہندوؤں نے مسلمانوں کے ساتھ تعاون کی پالیسی اختیار کی۔ گاندھی کی ہمدردی سے متاثر ہو کر مسلمان اُسے تحریک خلافت کے جلسوں میں لے آئے۔ ہندو مسلم اتحاد کے بڑے دل خوش کرنے والے مناظر دکھائی دیے۔ تحریکِ خلافت کی کامیابی کے لیے درج ذیل اقدامات اٹھانے کا فیصلہ کیا گیا۔

☆ اعزازات والقابات واپس کر دیے جائیں۔
☆ مقامی کونسلوں سے مسلمان مستعفی ہو جائیں۔
☆ مسلم طلبہ وطالبات تعلیمی اداروں کو چھوڑ کر تحریکوں میں شامل ہو جائیں۔
☆ سرکاری ملازمتوں سے استعفے دیے جائیں۔

ان اقدامات کے بعد علما نے انگریز فوج میں خدمات انجام دینے کے خلاف فتوے جاری کیے اور مسلم تعلیمی اداروں نے حکومتی امداد لینے سے انکار کر دیا۔

تحریک خلافت کے سرکردہ رہنماؤں نے مسلمانوں کو آمادہ کیا کہ وہ ہندوستان یعنی دارالحرب کو چھوڑ کر دارالامن یعنی افغانستان ہجرت کر جائیں۔ مسلمانوں نے اپنی جائیدادیں ہندوؤں کو بیچ دیں اور خود ہجرت کی غرض سے کابل کی طرف روانہ ہو گئے۔ ہزاروں خاندان جب سرحد پر پہنچے تو افغان حکومت نے انھیں اپنے ہاں پناہ دینے سے انکار کر دیا۔ وہ مایوس واپس پلٹے۔ گاندھی کی دوغلی پالیسیوں کی وجہ سے مسلمان معاشی طور پر بری طرح تباہ ہوئے۔

وفد خلافت

1919 ء میں علی برادران نے ایک وفد تشکیل دیا تاکہ لندن جا کر ارباب اختیار سے ملاقات کرے اور برصغیر کے مسلمانوں کے جذبوں اور مطالبات کو پیش کرے۔ وفد میں مشیر حسین قدوائی، شعیب قریشی اور سید سلیمان ندوی سمیت سات افراد شامل تھے۔ مولانا محمد علی جوہر وفد کے قائد بنائے گئے۔ لندن میں وزیراعظم لائیڈ جارج سے طویل مذاکرات ہوئے۔ وزیراعظم نے دوٹوک الفاظ میں جواب دیا کہ جرمنی اور آسٹریا کی طرح ترکی بھی انصاف سے نہیں بچ سکے گا اور انصاف بڑا بھیانک ہوگا۔ وفد کے ارکان بے حد مایوس ہوئے۔ انھوں نے میڈیا کو سخت بیانات دیے نیز وزیراعظم کی بدعہدی کو نشانہ بنایا۔ اس سے پہلے وزیراعظم وعدہ کر چکا تھا کہ برصغیر کے مسلمانوں کی وفاداریوں کو دیکھتے ہوئے ترکی سے نرم سلوک کیا جائے گا۔ برطانیہ مکر گیا اور اتحادی افواج ترکی کے شہروں میں فاتحانہ انداز میں داخل ہوئیں تو قتل و غارت کا بازار گرم ہو گیا۔

مسلم اخبارات

برصغیر سے الہلال، کامریڈ، ہمدرد اور زمیندار جیسے اخبار شائع ہو رہے تھے۔ مسلم صحافت نے انگریز حکومت کے خلاف سخت لہجہ اختیار کیا۔ لاہور کے پیسہ اخبار نے زبردست مہم چلائی۔ اخبارات کو بند کر دیا گیا اور پریس ضبط ہو گئے لیکن مسلمان صحافی کسی نہ کسی طرح مسلمانوں کے جذبات کی عکاسی کرتے اور مسلم عوام کی راہ نمائی کرتے رہے۔

معاہدہ سیورے

اتحادیوں نے جنگ کے خاتمہ پر ترکی سے معاہدہ سیورے کیا جس کے مطابق ترکی پر بہت بھاری تاوان عائد کیا گیا۔ مختلف علاقوں پر اتحادیوں کا قبضہ ہو گیا۔ تمام عرب علاقوں پر ترکی کا کنٹرول نہ رہا۔ حجاز مقدس شریف آف مکہ کے حوالے کر دیا گیا۔ جس نے جنگ کے دوران برطانیہ کا ترکوں کے خلاف بھرپور ساتھ دیا تھا۔ اس دوران ترکی میں قوم پرست تحریک اٹھی۔ مصطفےٰ کمال پاشا اس تحریک کے لیڈر تھے۔ انھوں نے ترک فوجیوں کو نئے سرے سے منظم کیا اور آزادی کی جنگ جاری رکھنے کا عزم کیا۔

تحریک خلافت کی سرگرمیاں

علی برادران کی راہ نمائی میں تحریک خلافت میں نیا جوش و خروش پیدا ہو گیا اور سرگرمیوں میں زبردست اضافہ ہو گیا۔

☆ جلسے جلوس منظم کیے گئے۔

☆ راہ نماؤں اور عوام نے گرفتاریاں دیں۔ جیلیں بھر گئیں۔

☆ ترک افواج کی مدد کے لیے کثیر رقوم جمع کر کے بھیجی گئیں۔

☆ زخمی ترکوں کے علاج کے لیے ڈاکٹروں اور نرسوں کا ایک وفد ڈاکٹر انصاری کی قیادت میں ترتیب دیا گیا جو دوائیں لے کر ترک علاقوں میں خدمات انجام دینے پہنچ گیا۔ رضا کاروں کی کثیر تعداد ترکی میں جا کر کام کرنے لگی۔ انگریزی مال کا بائیکاٹ کیا گیا۔

تحریک عدم تعاون اور دیگر تحریکوں نے زور پکڑا۔ حکومتی اداروں کا بائیکاٹ کیا گیا۔ برصغیر کے طول و عرض میں تحریک پھیل گئی۔ ہر مسلم نوجوان کی زبان پر ایک ہی نعرہ تھا۔

بولی اماں محمد علی کی   جان بیٹا خلافت پہ دے دو

گاندھی اور دیگر ہندو راہنماؤں کو مسلمانوں نے اپنا لیا۔ بدنام زمانہ مسلم دشمن سوامی شردھانند بھی تحریک میں مسلمانوں کے ہم رکاب رہا اور مسلمان اُسے اپنے کندھوں پر اٹھا کر شاہی مسجد دہلی کے اندر لے گئے۔ مسلمانوں نے گاندھی کی تحریکوں کے لیے اپنا خون پیش کیا اور اُس کے مقاصد پورے کرنے میں ہر طرح تعاون کیا۔ گاندھی مسلمانوں کو مشورہ دیتا رہا کہ علی گڑھ سمیت مسلم اداروں کے لیے ملنے والی حکومتی گرانٹ کو مسترد کر دیں لیکن کتنا عجیب ہے کہ بنارس کی ہندو یونیورسٹی میں کوئی ہنگامہ نہ کرایا گیا اور نہ طلبہ کو بائیکاٹ کا درس دیا گیا۔ بنارس میں مدن موہن مالویہ حکومتی گرانٹ حاصل کرنے کے لیے پرنس آف ویلز کو بطور مہمان خصوصی بلا رہے تھے۔

مسلمانوں نے حکومت سے ملنے والے القابات، خطابات اور آنریری عہدے حکومت کو لوٹا دیے۔ علی برادران اور دوسرے بہت سے مسلم راہنما جیلوں میں بند کر دیے گئے لیکن تحریک کا زور جاری رہا۔

تحریک خلافت کا خاتمہ

تحریک خلافت جاری تھی کہ برصغیر کے اندر اور ترکی میں ایسے واقعات رونما ہوئے کہ تحریک اپنے انجام کی طرف بڑھنے لگی۔

i- موپلا تحریک

برصغیر کے جنوب میں مالابار کے ساحل کے ساتھ ساتھ موپلا عربوں نے انگریزی حکومت کے خلاف جدوجہد شروع کر دی۔ انھوں نے اپنے علاقوں میں خلافت کے قیام کا اعلان کر دیا۔ حکومت نے سختی سے موپلا تحریک کو کچلا۔ کم و بیش آٹھ ہزار موپلا شہید ہوئے۔ گاندھی اور کانگرسی قیادت نے موپلوں کے خلاف کارروائی کی مذمت نہ کی بلکہ حکومتی اقدام کو سراہا۔ مسلمانوں اور ہندوؤں میں نئے سرے سے خلیج پیدا ہونے لگی۔

ii- سانحہ چورا چوری

چورا چوری ضلع گھورکھ پور کا ایک قصبہ ہے۔ وہاں گاندھی کے ایما پر ایک بڑا جلوس نکلا اور تھانے کو آگ لگا دی گئی۔ 21 سپاہی زندہ جل کر مر گئے۔ گاندھی بہانے کے تلاش میں تھا۔ اُس نے اپنی تحریکوں کے فوری خاتمے کا اعلان کر دیا اور اس حوالے سے علی برادران اور دوسرے مسلمان راہنماؤں کی رائے لینا بھی مناسب نہ سمجھا۔ دراصل جنگ عظیم اول ختم ہو چکی تھی اور گاندھی کو یقین ہو گیا تھا کہ وہ حکومت کو بلیک میل کر کے اپنے مقاصد پورے کرنے کے قابل نہ تھا۔

iii- پرنس آف ویلز کی آمد

بنارس یونیورسٹی میں ہندوؤں نے پرنس آف ویلز کو بطور مہمان خصوصی آنے کی دعوت دی تھی۔ مسلمانوں نے پرنس کی آمد پر زبردست مظاہرے کیے لیکن ہندو اُسے بنارس یونیورسٹی کے فنکشن میں لے گئے تاکہ گرانٹ حاصل کر سکیں۔ ہندوؤں کی دوغلی پالیسی نے مسلمانوں کو بہت مایوس کیا اور دونوں قوموں کے درمیان اختلافات میں اضافہ ہونے لگا۔

iv- غازی مصطفےٰ کمال پاشا

جنگ عظیم اول تو ختم ہو چکی تھی لیکن اتحادیوں میں سے ایک ملک یونان، ترکی کو مزید تباہ کرنے کے در پے تھا۔ اس دوران ایک ترک جرنیل غازی مصطفےٰ کمال پاشا نے بکھری ہوئی ترک قوتوں کو مجتمع کیا اور یونانیوں کو شکست دی۔ مصطفےٰ کمال پاشا نے آخری خلیفہ عبدالمجید کو اقتدار سے الگ کر کے حکومت اپنے ہاتھوں میں لے لی۔ قوم پرست راہ نما اُس کے ہمراہ تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ترکی اپنے قدموں پر کھڑا ہونے لگا۔ روس اور برطانیہ میں ترکی پر قبضے کے لیے باہم رقابت موجود تھی۔ یہی رقابت ترکی کو بچا گئی۔ مصطفےٰ کمال پاشا کی حکومت نے ایک معاہدہ ''لوزان'' اتحادیوں کے ساتھ تحریر کیا۔ اس معاہدہ کی شرائط معاہدہ سیورے کے مقابلے میں ترکی کے لیے بہتر تھیں۔ ترکی میں خلافت ختم ہوگئی اور جمہوریت قائم ہوئی۔ ترکی عرب، شمالی افریقہ اور مشرقی یورپ کے علاقوں کو چھوڑنے پر آمادہ ہوگیا۔ حجازِ مقدس پر شریف آف مکہ کا کنٹرول ہوگیا اور ترکی کا مسئلہ حل ہوگیا۔

نئے حالات کی روشنی میں برصغیر میں تحریک جاری رکھنے کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی اس لیے قائدین اور عوام رفتہ رفتہ خاموش ہوگئے۔ ایک لحاظ سے تحریک کے مقاصد پورے ہوگئے تھے مثلاً:

- i- خلافت کو ترکوں نے خود ختم کر دیا تھا۔
- ii- حجازِ مقدس پر عربوں کا کنٹرول ہوا تو اس علاقے کے تقدس اور احترام کا مسئلہ بھی حل ہوگیا۔
- iii- ترکی بحیثیت ایک ملک موجود رہا تاہم حکومت ترکی نے از خود بہت سے علاقوں پر اپنی حاکمیت ختم کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

تحریک خلافت کے اثرات

1۔ مسلمانوں میں سیاسی شعور بڑھنے لگا۔

2۔ گاندھی اور کانگرس کی دوغلی پالیسی بے نقاب ہوئی تو مسلمانوں کو گاندھی کا صحیح چہرہ نظر آیا۔ انھیں پتا چل گیا کہ دونوں قوموں میں تعاون دیرپا ثابت نہیں ہوسکے گا۔ اب مسلمان زیادہ حقیقت پسندانہ پالیسیوں پر عمل کرنے لگے۔

3۔ تحریک کی وجہ سے مسلمانوں کو تعلیمی، معاشی اور معاشرتی شعبوں میں بڑا نقصان پہنچا۔ وہ ملازمتوں سے محروم ہوئے، تحریک ہجرت نے انھیں سخت حالات سے دوچار کیا اور اُن کی روزمرہ زندگی ہنگاموں کی وجہ سے بڑی طرح متاثر ہوئی۔

4۔ تحریکِ خلافت سے برصغیر کے مسلمانوں پر یہ واضح ہوا کہ جب تک اپنے ہاتھوں میں طاقت نہ ہو دوسروں کے بھروسے پر کبھی کوئی تحریک کامیاب نہیں ہوتی۔

5۔ برطانوی حکومت کی جڑیں ہل گئیں۔

1935ء کا ایکٹ (Act of 1935)

برصغیر جنوبی ایشیا میں دستور کو 1935ء میں مرتب کر کے نافذ کر دیا گیا۔ 1935ء سے 1937ء تک اسی دستور کے مطابق سیاسی نظام چلایا جاتا رہا۔ تخلیق پاکستان کے بعد نئے ملک کے دستور کی تشکیل کا کام شروع ہوا تو عارضی طور پر چند ترامیم کر کے 1935ء کے ایکٹ کو ہی پاکستان میں رائج رکھا گیا۔

ایکٹ 1935ء کا پس منظر

برصغیر پر جنگ آزادی 1857ء کے بعد براہ راست تاجِ برطانیہ کا کنٹرول ہوگیا۔ حکومت برطانیہ نے یکے بعد دیگرے

1858ء، 1861ء اور 1892ء میں مختلف ایکٹ متعارف کرائے۔ 1909ء میں منٹو مارلے اصلاحات اور 1919ء میں مانٹیگو چیمسفورڈ اصلاحات کا نفاذ ہوا تو سیاسی نظام میں بتدریج تبدیلیاں آئیں۔ 1935ء میں بالآخر زیادہ جامع اور تفصیلی ایکٹ منظور کیا گیا۔ اس ایکٹ کی تیاری میں برصغیر کے سیاسی لیڈروں کے مشورے بھی شامل کیے گئے۔ مقامی لوگوں کے مشورے سے دستور بنانے کے لیے 1927ء میں سائمن کمیشن ہندوستان آیا اور آل پارٹیز کانفرنس منعقد ہوئی۔ 1928ء میں نہرو رپورٹ منظر عام پر آئی اور 1929ء میں قائداعظمؒ نے چودہ نکات پیش کیے۔ بعدازاں تین گول میز کانفرنسیں 1930ء، 1931ء اور 1932ء میں لندن میں بلائی گئیں۔ ان کانفرنسوں میں مختلف سیاسی جماعتوں کے راہ نماؤں نے شرکت کی۔ حکومت برطانیہ نے مختلف مذاکرات اور کانفرنسوں میں پیش کیے گئے خیالات کی روشنی میں خود ایک ایکٹ ترتیب دیا جسے 1935ء میں عملی شکل دے دی گئی۔

اہم خصوصیات

1۔ وفاقی طرزِ حکومت

ایکٹ نے برصغیر کے لیے وفاقی نظام دیا۔ وفاق میں صوبے اور ریاستیں شامل کی گئیں بعدازاں ریاستوں کے نوابوں اور راجاؤں نے وفاق میں شمولیت سے معذوری ظاہر کر دی کیونکہ مرکز کو کافی اختیارات سونپے گئے تھے۔

2۔ اختیارات کی تقسیم

برصغیر کو وفاق بنایا گیا تو اختیارات مرکزی اور صوبائی حکومتوں میں تقسیم کر دیے گئے۔ ایکٹ میں اختیارات کی تین فہرستیں شامل کی گئیں۔

(i) وفاقی امور کی فہرست (ii) صوبائی امور کی فہرست (iii) مشترکہ امور کی فہرست

وفاقی امور میں امورِ خارجہ، دفاع، کرنسی، ریلوے، تجارت، مذہبی معاملات اور قبائلی امور وغیرہ۔

صوبائی امور میں زراعت، صنعت، تعلیم، صحت، سماجی بہبود، جیلیں، پولیس اور ریونیو وغیرہ۔

مشترکہ فہرست میں شامل امور پر وفاق اور صوبوں یعنی دونوں کو اختیارات دیے گئے مگر وفاق کو اختیارات میں برتری حاصل تھی۔

3۔ دوعملی

دوعملی سے مراد صوبائی محکموں کو عوام کے منتخب نمائندوں اور گورنر کے نامزد نمائندوں میں تقسیم کرنا ہے۔ عوامی نمائندوں کو دیے جانے والے محکمے منتقلہ محکمے (Transfer Subject) اور نامزد نمائندوں کو دیے جانے والے محکمے غیر منتقلہ (Reserved Subject) کہلاتے تھے۔

دوعملی کا نظام 1919ء کے ایکٹ کی رو سے مرکزی اور صوبائی دونوں سطحوں پر متعارف کرایا گیا تھا۔ 1935ء کے ایکٹ کے تحت دوعملی کا نظام صوبائی سطح پر ختم کر دیا گیا البتہ دوعملی وفاقی سطح پر قائم رکھی گئی بعض محکمے براہ راست گورنر جنرل کی تحویل میں رہنے دیے گئے اور باقی محکمے منتخب وزرا کے حوالے کیے گئے وزرا اپنی ذمہ داریوں کے حوالے سے قانون ساز اسمبلی کو جواب دہ تھے۔

4۔ گورنر جنرل کے اختیارات

وفاقی حکومت کی سربراہی گورنر جنرل کو حاصل رہی جسے تاج برطانیہ کی طرف سے نامزد کیا جاتا تھا۔ گورنر جنرل کی مدد کے لیے

ایک انتظامی کونسل کا قیام عمل میں لایا گیا۔ ایک کابینہ بھی بنائی گئی جو مرکزی قانون ساز اسمبلی کی نگرانی میں کام کرتی تھی۔ انتظامی کونسل کے ارکان انگریز تھے جو اُن محکموں کا نظام چلاتے تھے جو ایکٹ کی رو سے گورنر جنرل کی صوابدید پر رکھے گئے تھے۔ دوعملی کا نظام بہت پیچیدہ تھا، گورنر جنرل کو جو اختیارات ملے، اُن کے حوالے سے وہ کسی کونسل، کابینہ یا مقننہ کو جواب دہ نہیں تھا۔

اختیارات درج ذیل تھے:

(i) وفاقی حکومت کی مالیاتی حیثیت کو محفوظ رکھنا۔

(ii) ریاستوں کے حکمرانوں کے تحفظ کا بندوبست کرنا۔

(iii) اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت کرنا۔

(iv) سول ملازمتوں سے وابستہ افراد کا تحفظ کرنا۔

(v) برطانیہ کی برصغیر سے تجارت کو ترقی دینا اور انگریز تاجروں کو سہولت بہم پہنچانا۔

گورنر جنرل کو کابینہ میں ردوبدل کرنے، دستور کو معطل کرنے، قانون ساز اسمبلی کا اجلاس طلب کرنے اور اسے ملتوی کرنے اور آرڈیننس نافذ کرنے کے اختیارات حاصل تھے۔ گورنر جنرل مقننہ کے منظور کردہ کسی مسودہ کے حوالے سے حقِ استرداد رکھتا تھا۔

5۔ وزیر امورِ ہند

وزیر امورِ ہند کا عہدہ 1858ء کے ایکٹ سے موجود تھا۔ 1935ء کے ایکٹ میں اس عہدے کو برقرار رکھا گیا۔ البتہ اُس کے لیے کام کرنے والی انڈین کونسل کو ختم کر دیا گیا۔ وزیر برائے امورِ ہند کو کچھ مشیروں کی خدمات حاصل رہیں۔ ان مشیروں کی تنخواہ برطانوی خزانے سے ادا کرنے کا فیصلہ ہوا۔ آدھے سے زیادہ مشیر ایسے برطانوی شہری تھے جو کم از کم دس سال تک انڈین سول سروس میں خدمات انجام دے چکے تھے۔ مشیروں کے عہدے کی معیاد 5 سال تھی۔

6۔ وفاقی مقننہ

برصغیر کی مرکزی مقننہ دو ایوانی بنائی گئی۔ گورنر جنرل مقننہ کا سربراہ تھا۔

(i) کونسل آف سٹیٹ

اس کونسل کے کل ارکان 260 تھے۔ صوبوں سے 156 اور ریاستوں سے 104 ارکان لیے گئے۔ ہر رکن کی معیاد تین سال تھی۔ ہر سال ایک تہائی ارکان ریٹائر ہو جاتے تو نئے ایک تہائی منتخب کیے جاتے۔ صوبوں کے نمائندے چنے جاتے تھے اور ریاستوں کے نمائندے ریاستوں کے والی مقرر کرتے تھے۔ یاد رہے کہ ریاستوں کے والیوں نے وفاق میں شامل ہونے سے معذرت کر لی تھی اس لیے کونسل آف سٹیٹ میں صوبوں میں منتخب ہونے والے ارکان ہی شریک تھے۔

(ii) وفاقی اسمبلی

اس کے کل ارکان 375 تھے۔ ان میں ریاستوں سے 125 اور صوبوں سے 250 ارکان لیے جانے کا فیصلہ ہوا۔ ریاستوں کے نمائندے منتخب نہیں ہوتے تھے انھیں والیان نامزد کرتے تھے۔ صوبوں کے ارکان کو عوام کے ووٹوں سے چنا جاتا تھا۔ ریاستوں کے والیوں نے وفاقی اسمبلی میں بھی اپنے نمائندے نہ بھیجے۔ وفاقی اسمبلی کی معیاد پانچ سال رکھی گئی۔ گورنر جنرل اسمبلی کو منسوخ کرنے کا اختیار رکھتا تھا۔ دونوں ایوانوں کے منظور کردہ مسودات گورنر جنرل کی توثیق کے ساتھ قوانین بن جاتے تھے۔ وہ کسی مسودہ کو مسترد کرنے

کا بھی اختیار حاصل تھا۔

7۔ عدلیہ

فیڈرل کورٹ کے نام سے مرکزی عدلیہ بنائی گئی جو ایک چیف جسٹس اور چھے ججوں پر مشتمل تھی۔ یہ عدالت صوبوں میں قائم ہائی کورٹوں کے فیصلوں کے خلاف اپیلیں سنتی تھی۔ وفاقی عدلیہ کے فیصلوں کے خلاف برطانوی پریوی کونسل (Privy Council) کا دروازہ کھٹکھٹایا جا سکتا تھا۔ گورنر جنرل وفاقی عدلیہ سے قانونی مشورہ مانگ سکتا تھا البتہ مشورہ پر عمل کرنا اس کے لیے لازم نہیں تھا۔

8۔ نئے صوبے

سندھ اور اڑیسہ دو نئے صوبے بنائے گئے۔ اڑیسہ بہار سے جدا کیا گیا اور سندھ کو بمبئی (ممبئی) سے الگ کیا گیا۔ صوبہ سندھ کا مطالبہ مسلمان مسلسل کرتے آرہے تھے جو 1935ء کے ایکٹ کی رو سے مان لیا گیا۔

9۔ صوبائی نظم ونسق

(i) گورنر

صوبہ کا سربراہ گورنر تھا جسے گورنر جنرل نامزد کرتا تھا۔ گورنر وفاقی حکومت کا صوبے میں نمائندہ تھا۔ صوبے میں اسے وہی مقام حاصل تھا جو مرکز میں گورنر جنرل کو دیا گیا تھا۔ گورنر کو گورنر جنرل کی طرح بعض خصوصی اختیارات سونپے گئے تھے۔ گورنر کے لیے اپنے صوبے میں گورنر جنرل کے خصوصی اختیارات کے حوالے سے اُس سے مکمل تعاون کرنا لازم تھا۔ اقلیتوں کے تحفظ، سرکاری ملازموں کے حقوق کا تحفظ، آرڈیننس کا نفاذ اور صوبے میں امن وامان کا قیام گورنر کی اہم ذمہ داریاں تھیں۔ ہنگامی حالات میں اس کے اختیارات مزید بڑھ جاتے تھے۔

(ii) کابینہ

صوبائی کابینہ اُن وزرا پر مشتمل تھی جو صوبائی اسمبلی کے ارکان میں سے لیے جاتے تھے گورنر وزرا کو نامزد کرتا تھا۔ وہ پوری کابینہ یا جس وزیر کو چاہتا سبکدوش کر سکتا تھا۔ وزرا ایسے ارکان اسمبلی کو بنایا جاتا تھا جنھیں صوبائی اسمبلی کے ارکان کی اکثریت کی حمایت حاصل ہوتی۔ وزرا اپنی کارکردگی کے بارے میں گورنر کے علاوہ صوبائی اسمبلی کے سامنے بھی جواب دہ تھے۔ وزیر اپنے عہدہ پر گورنر اور اسمبلی کے ارکان کی اکثریت کی خوشنودی تک فائز رہ سکتا تھا۔

(iii) صوبائی قانون ساز اسمبلی

ہر صوبہ میں ایک قانون ساز اسمبلی بنائی گئی۔ بہار، یوپی، آسام، بنگال مدراس اور بمبئی (ممبئی) میں دو ایوانی اور پنجاب، سرحد، سندھ اور اڑیسہ میں ایک ایوانی مقننہ تھی۔ ایوان بالا کا نام "قانون ساز کونسل" اور ایوان زیریں کا نام "قانون ساز اسمبلی تھا۔ قانون ساز کونسل کے ارکان تین سال کے لیے منتخب ہوتے تھے۔ ہر سال ایک تہائی ریٹائر ہو جاتے اور اُن کی جگہ نئے ایک تہائی منتخب کر لیے جاتے۔ مختلف صوبوں میں دونوں ایوانوں کے ارکان کی تعداد مختلف تھی۔

10۔ جداگانہ انتخابات

مسلمانوں کے لیے مرکزی اسمبلی اور تمام صوبائی اسمبلیوں میں جداگانہ نشستیں رکھی گئیں۔ ان نشستوں کے لیے انتخاب میں صرف مسلمان حصہ لیتے اور مسلمان ہی ووٹر کے فرائض ادا کرتے۔ کانگرس کی مخالفت کے باوجود جداگانہ انتخابی طریقہ جاری رکھنے کا

فیصلہ کیا گیا۔

11۔ صوبائی خودمختاری

صوبوں کو بڑی حد تک خودمختاری دی گئی۔ دوعملی ختم کردی گئی۔ تمام محکمے مقامی وزرا کی تحویل میں دیے گئے۔ صوبوں کا نظام چلانے کے لیے صوبائی انتظامیہ کافی بااختیار تھی۔ وزرا کی حیثیت میں اضافہ ہوا۔ قانون ساز اسمبلی کو انتظامیہ یعنی کابینہ کے ارکان سے سوال پوچھنے کا اختیار حاصل تھا اور وہ پارلیمانی انداز میں کابینہ پر کنٹرول کرتی تھی۔

تنقیدی جائزہ

1۔ قائداعظمؒ نے ایکٹ کے حوالے سے مایوسی کا اظہار کیا کیونکہ اقلیتوں کے لیے تحفظ کا آئینی بندوبست کرنے کی بجائے انھیں گورنر جنرل اور گورنروں کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا گیا تھا۔

2۔ گاندھی، نہرو اور کانگرس کے دیگر راہ نماؤں نے ایکٹ کو ناپسند کیا۔ کہا گیا کہ اقلیتوں کی نازبرداریاں کرنے کے علاوہ ایکٹ میں اور کچھ نہیں ہے۔

3۔ پنڈت نہرو نے کہا کہ ''ایکٹ غلامی کا ایک چارٹر ہے۔''

4۔ مدن موہن مالویہ کا کہنا تھا ''1935ء کا ایکٹ بظاہر جمہوری لیکن اندر سے کھوکھلا ہے''

5۔ مرکز میں دوعملی کو جاری رکھا گیا اور صوبوں میں اسے ختم کردیا گیا۔ مرکز میں دوعملی کا جاری رہنا پیچیدگیوں کا باعث بنا۔ گورنر جنرل کو دوعملی نے بہت بااختیار بنا دیا۔

6۔ گورنر جنرل کو مرکز میں اور صوبوں میں گورنروں کو حق استرداد حاصل تھا۔ وہ مقننہ کے منظور کردہ کسی مسودے کو ویٹو کر سکتے تھے۔ یوں عوامی نمائندوں کو بے بس بنا دیا گیا۔

7۔ ریاستیں وفاق کے نظام میں شامل نہ ہوئیں اور انھوں نے مرکزی مقننہ میں ریاستی نمائندوں کو نامزد نہ کیا حالانکہ گول میز کانفرنسوں میں والیانِ ریاست نے وفاق میں پوری طرح شامل ہونے پر آمادگی کا واضح اظہار کیا تھا۔

قراردادِ پاکستان 1940ء (Pakistan Resolution 1940)

پاکستان کے عظیم تاریخی شہر لاہور میں آل انڈیا مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس 1940ء میں اقبال پارک میں منعقد ہوا۔ ایک لاکھ سے زائد افراد موجود تھے۔ اجلاس کی صدارت قائداعظم محمد علی جناحؒ نے کی۔ بیگم محمد علی جوہر، آئی آئی چندریگر، مولانا ظفر علی خاں، چوہدری خلیق الزماں، قاضی محمد عیسیٰ، مولانا عبدالحامد بدایونی جیسی عظیم شخصیات بھی اجلاس میں موجود تھیں۔ اجلاس بہت اہمیت کا حامل تھا کیونکہ برصغیر کے مسلمان اپنے مستقبل کے حوالے سے ایک تاریخی فیصلہ کرنے والے تھے۔ اجلاس میں شیر بنگال مولوی فضل الحق نے قرارداد پیش کی۔ قرارداد کا پیش ہونا تھا کہ پورا پنڈال نعرہ تکبیر کے فلک شگاف نعروں سے گونج اٹھا۔ قرارداد کو متفقہ طور پر منظور کرلیا گیا۔ برصغیر کے مسلمان اپنے لیے تحفظات مانگتے رہے تھے۔ کبھی جداگانہ نشستیں مانگیں تو کبھی جداگانہ انتخابی طریقہ کا مطالبہ کیا۔ کوئی بھی قدم مسلمانوں کو سیاسی وقومی اعتبار سے مطمئن نہ کرسکا۔ بالآخر 23 مارچ 1940ء کو قرارداد لاہور نے منزل اور مقصد کی نشان دہی کردی۔ جداگانہ مملکت کا قیام مسلمانوں کا ایمان بن گیا اور صرف سات سالوں میں انھوں نے اپنا مقصد حاصل کرلیا یعنی مملکت خداداد پاکستان وجود میں آ گئی۔ قرارداد میں دو مسلم مملکتوں کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ 1946ء میں نئے سرے سے غور کیا گیا اور دہلی کے کنونشن میں

ایک اور قرارداد ایک اور بنگالی راہ نما حسین شہید سہروردی نے پیش کی جس کی رو سے صرف ایک مملکت کا مطالبہ پیش ہوا جو بنگال، آسام، پنجاب، سرحد (خیبر پختونخوا)، سندھ، بلوچستان اور کشمیر پر مشتمل ہوگی۔

قرارداد کو مسلم لیگ نے قرارداد لاہور کا نام دیا لیکن ہندو اخبارات نے اس کے لیے "قراردادِ پاکستان" کی اصطلاح طنزاً استعمال کی۔ مسلمانوں نے یہ اصطلاح زیادہ پسند کی اور قرارداد لاہور کو وہ خود بھی قراردادِ پاکستان پکارنے لگے۔

بنیادی نکات

i- باہم متصل اکائیوں کی نئے خطوں کی صورت میں حد بندی کی جائے۔ شمال مغرب اور شمال مشرق میں مسلم اکثریت والے علاقوں میں آزاد مسلم مملکتیں قائم کی جائیں۔

ii- برصغیر کے لیے تقسیم کے علاوہ کسی دوسری سکیم کو منظور نہیں کیا جائے گا۔

iii- تقسیم ہو جاتی ہے تو ہندو اکثریتی علاقوں میں مسلم اقلیت کے حقوق کے تحفظ کا مناسب بندوبست کیا جائے۔

قائداعظمؒ کی تقریر

اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے قائداعظمؒ نے اپنے خطبے میں چند بنیادی حقائق کی طرف توجہ دلائی جو یہ ہیں:

☆ مسلمان ایک علیحدہ قوم ہیں کیونکہ ان کے رسم و رواج، روایات، تہذیب و ثقافت اور سب سے بڑھ کر اُن کا مذہب جدا ہے۔ صدیوں سے ساتھ ساتھ رہنے کے باوجود ہندو اور مسلمان اپنی اپنی جداگانہ پہچان رکھتے ہیں۔

☆ اگر برصغیر متحدہ صورت میں آزاد ہوتا ہے تو مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت نہیں ہو سکے گی۔

☆ مسلمان علیحدہ مملکت کا مطالبہ کر رہے ہیں تو یہ غیر تاریخی نہیں سمجھا جا سکتا۔ برطانیہ سے آئرلینڈ جدا ہوا، سپین اور پرتگال علیحدہ علیحدہ مملکتیں بنیں اور چیکوسلواکیہ کا وجود بھی تقسیم کا نتیجہ بنا۔

☆ برصغیر کا سیاسی مسئلہ قومی یا فرقہ وارانہ نہیں ہے۔ یہ بین الاقوامی مسئلہ ہے اور اسی تناظر میں اسے حل کرنا ضروری ہے۔

☆ برصغیر ایک برصغیر ہے ملک نہیں اور نہ ہی یہ ایک قوم کا وطن ہے۔ یہاں کئی قومیں رہ رہی ہیں اور اُن کے مفادات علیحدہ علیحدہ ہیں۔

مطالبہ پاکستان کا پس منظر

پاکستان کا مطالبہ برصغیر کے مسلمانوں نے بڑی سوچ و بچار کے بعد کیا۔ یہ کسی وقتی غصے یا جذباتی فیصلے کا نتیجہ نہیں تھا۔ مسلمان سال ہا سال سے کسی ایسے حل کی تلاش میں تھے کہ آزادی کے بعد وہ پرسکون اور محفوظ زندگی بسر کر سکیں۔ کئی شخصیتوں نے اس حوالے سے برصغیر کو تقسیم کرنے کی رائے پیش کی تھی۔ ان میں درج ذیل شخصیات بہت زیادہ اہمیت کی حامل تھیں۔

☆ انگریز مصنف بلنٹ ☆ انگریز مصنف جان برائٹ

☆ روسی مرد آہن جوزف سٹالن ☆ عبدالحلیم شرر

☆ سیّد جمال الدین افغانی ☆ ڈاکٹر عبدالجبار خیری اور پروفیسر عبدالستار خیری (خیری برادران)

☆ برطانوی صحافی فریزیر ☆ مولانا محمد علی جوہر

☆ لالہ لاجپت رائے (ہندو لیڈر) ☆ سی آر داس (ہندو لیڈر)

☆ علامہ محمد اقبالؒ ☆ چوہدری رحمت علی

☆ ڈاکٹر عبداللطیف ☆ سر سکندر حیات ☆ چوہدری خلیق الزمان

مندرجہ بالا اہل نظر افراد مختلف ادوار میں تقسیم کا اشارہ کرتے رہے کہ یہی حل انھیں قابل عمل نظر آ رہا تھا۔ علامہ اقبالؒ نے الٰہ آباد 1930ء میں مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے تقسیم کا واضح نقشہ پیش کر دیا۔ چوہدری رحمت علی نے ایک پمفلٹ اب یا کبھی نہیں (Now or Never) تیار کر کے لندن میں ہونے والی تیسری گول میز کانفرنس کے شرکاء میں تقسیم کیا۔ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ تقسیم کا تصور رفتہ رفتہ پروان چڑھا۔ مختلف شخصیات نے اسے مختلف زاویوں سے دیکھا اور اپنی آراء پیش کیں۔ سید حسن ریاض نے اپنی تصنیف 'پاکستان ناگزیر تھا' میں لکھا ہے کہ قائد اعظمؒ 1930ء سے تقسیم کے فارمولے پر غور کرتے آ رہے تھے اور تخلیق پاکستان کے حق میں اُن کا ذہن قرارداد پاکستان کی توثیق سے کئی سال پہلے ہی بن چکا تھا۔ وہ رفتہ رفتہ مسلمانوں کو اپنے نظریہ کے حق میں قائل کرتے رہے اور 1940ء میں قرارداد پاکستان منظور کروا کے اسے ملّی مطالبے کی شکل دے دی۔

پاکستان کا مطالبہ کیوں؟ پاکستان مانگنے کی ضرورت مسلمانان جنوبی ایشیا کو کیوں محسوس ہوئی؟ اس حوالے سے کئی محرکات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

☆ مسلمان ہندومت کے غلبے سے محفوظ ہونا چاہتے تھے۔ ہندو جماعتیں رام راج کے قیام کا مطالبہ کر رہی تھیں اور ہندومت مسلسل اسلام کو دیگر نظاموں کی طرح اپنے اندر جذب کرنے کے درپے تھا۔

☆ اگر متحدہ برصغیر آزاد ہوتا تو جدید جمہوری نظام جو اکثریت کی حکومت کا نام ہے درحقیقت ہندو اقتدار کی ہی ایک دائمی شکل ہوتی۔

☆ ہندوؤں کے معاشی غلبے سے چھٹکارا ضروری تھا اور یہ تقسیم برصغیر کی صورت میں ہی ممکن تھا۔

☆ فرقہ وارانہ فسادات میں مسلمانوں کا خون بری طرح بہایا جاتا رہا۔ یہ صورت انگریزی حکومت کی موجودگی میں قائم تھی انگریزوں کے جانے کے بعد مسلمان ہندوؤں کے رحم وکرم پر ہوتے اور انھیں آئے دن قتل وغارت کا نشانہ بنایا جاتا۔

☆ مسلمانوں کو معاشرہ میں کم تر درجہ دیا جاتا تھا۔ ذات پات، رنگ ونسل اور چھوت چھات کے ہندو معاشرہ میں مسلمان باوقار زندگی بسر نہیں کر سکتے تھے۔ ہندو مسلمانوں کو مساوی معاشرتی درجہ دینے کو کبھی بھی تیار نہ تھے۔

☆ مسلمانوں کی زبان، ثقافت اور تہذیب کو ختم کرنے کی ہندوؤں کی کوششیں انیسویں صدی کے دوسرے نصف اور بیسویں صدی میں جاری رہیں۔ صاف دکھائی دیتا تھا کہ اگر ہندوستان ایک ملک کے طور پر آزاد ہوتا تو مسلمانوں کی ثقافت، تہذیب اور زبان ہمیشہ خطروں کا شکار رہتی۔

☆ مسلمان چاہتے تھے کہ اسلام کے نام پر ایک مملکت قائم ہو جہاں وہ اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی اسلام کے اصولوں کے مطابق آزادی سے گزار سکیں۔

☆ دو قومی نظریہ پاکستان کی بنیاد بنا۔ مسلمان ہر لحاظ سے الگ قوم تھے اور انھیں اپنا مستقبل بنانے کے لیے مکمل حق خود ارادیت حاصل تھا۔

ردعمل

گاندھی: ''ہندوستان ہماری ماتا ہے اور ہم اپنی ماتا کے ٹکڑے نہیں ہونے دیں گے۔''

راج گوپال آچاریہ: ''یہ مطالبہ ایسا ہے کہ ایک گائے کی ملکیت کا تنازعہ دو بھائیوں کے مابین ہو اور وہ گائے کو دو ٹکڑے کر کے آپس میں بانٹ لیں۔''

ماسٹر تارا سنگھ: ''اگر مسلم لیگ پاکستان قائم کرنا چاہتی ہے تو مسلمانوں کو سکھوں کے خون کا ایک سمندر عبور کرنا ہوگا۔''

ابوالکلام آزاد: ''میں پاکستان کے تصور کا مخالف ہوں کیونکہ میری نظر میں خدا کی زمین کو پاک اور ناپاک خطوں میں بانٹنے کا کسی انسان کو حق حاصل نہیں۔''

پنڈت نہرو: ''پاکستان کی ساری سکیم احمقانہ ہے۔ اس کا تصور 24 گھنٹے سے زیادہ عرصہ تک قائم نہیں رہ سکے گا۔''

ہندو پریس: ''دی ہندوستان ٹائمنز، ماڈرن ریویو، ٹریبیون اور امرت بازار پتریکا نے تقسیم کے منصوبے کی مخالفت میں اداریے تحریر کیے۔ مطالبہ پاکستان کو مجذوب کی بڑ قرار دیا گیا۔ ہندو اخبارات پرتاپ اور ملاپ نے قرارداد کا مذاق اڑایا اور خوب زہر افشانی کی۔''

3 جون 1947ء کا منصوبہ (3rd June 1947 Plan)

انگریز حکومت نے جنگ عظیم دوم کے بعد برصغیر کو آزاد کر دینے کا ارادہ کر لیا تھا۔ مستقبل کے سیاسی اور دستوری مسائل حل کرنے کے لیے مذاکرات ہوئے، کانفرنسیں منعقد کرائی گئیں اور برطانیہ سے کرپس مشن اور کابینہ مشن برصغیر میں آئے۔ کئی تجاویز پر غور کیا گیا۔ انڈین نیشنل کانگرس اور دوسری ہندو جماعتوں کا موقف تھا کہ انگریز برصغیر کو خالی کر کے چلے جائیں۔ ہندوستانی عوام خود ہی دستوری مسائل کو طے کر لیں گے۔ تقسیم پر وہ ہرگز آمادہ نہیں تھیں۔ اس کے برعکس آل انڈیا مسلم لیگ قائداعظمؒ کی زیر قیادت مسلم اکثریت علاقوں میں آزاد اور خود مختار پاکستان کا قیام چاہتی تھی اور اس کے علاوہ کوئی حل اُسے قابل قبول نہ تھا۔

برطانوی حکومت نے آخرکار اپنے اقتدار کی بساط لپیٹنے کے لیے حتمی منصوبہ بندی شروع کر دی۔ لارڈ ویول کی جگہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو آخری وائسرائے تعینات کیا گیا۔ برطانوی وزیراعظم نے جون 1948ء تک برطانوی کنٹرول اٹھائے جانے کا اعلان کر دیا اور ماؤنٹ بیٹن کو واضح ہدایات دے کر برصغیر بھیجا گیا۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے آتے ہی بڑی جماعتوں کے اہم راہنماؤں سے ملاقاتیں اور مذاکرات کیے۔ دیسی ریاستوں کے نوابوں اور راجاؤں سے ملا۔ اسے سمجھ آ گئی کہ تقسیم کے علاوہ کوئی اور حل تلاش نہیں کیا جا سکتا۔ اب معاملہ تھا کہ تقسیم کے اصول کیا مقرر کیے جائیں۔ کانگرس راہنما بھی یکے بعد دیگرے دو قومی نظریے کو حقیقت سمجھنے لگے۔ ماؤنٹ بیٹن اور لیڈی ماؤنٹ بیٹن کے ذاتی تعلقات نہرو خاندان سے تھے۔ کانگرس کے دیگر راہنما بھی ماؤنٹ بیٹن کو اپنا ہمدرد اور دوست خیال کرتے تھے۔ تقسیم کو ناگزیر سمجھتے ہوئے اب ماؤنٹ بیٹن سے مل کر سازش تیار کی گئی کہ تقسیم کا عمل اس طرح مکمل ہو کہ ایک کٹا پھٹا، غیر متوازن اور کمزور پاکستان تخلیق کیا جائے جو جلد ہی بھارت کا حصہ بننے پر مجبور ہو جائے۔ ماؤنٹ بیٹن نے اپنے ذاتی عملے کی مدد کے ساتھ دونوں ممالک کی حدود کا تعین کرنے کے لیے بنیادی اصول ترتیب دینے شروع کیے۔ اس نے کانگرسی لیڈروں کو درپردہ یقین دلایا کہ تقسیم کا عمل کانگرس کی مرضی کے مطابق طے پائے گا اور ان کی شرائط کو فوقیت دی جائے گی۔ سازش کا نتیجہ تھا کہ کانگرس کے اہم لیڈر ایک ایک کر کے تقسیم کی مخالفت سے گریز کرنے لگے۔ کانگرس سے ملی بھگت کے نتیجہ میں تیار ہونے والے منصوبے کو لارڈ ماؤنٹ بیٹن لندن لے گیا اور برطانوی حکومت کی توثیق حاصل کر لی۔ واپسی پر ایک کل جماعتی کانفرنس بلائی جس میں قائداعظمؒ، لیاقت علی خاں، سردار عبدالرب نشتر، پنڈت نہرو، سردار پٹیل، آچاریہ کرپلانی اور بلدیو سنگھ نے شرکت کی۔ وائسرائے نے کانفرنس میں منصوبے کے مختلف پہلوؤں کی وضاحت کی۔ بعد ازاں ہر جماعت کے راہنماؤں سے علیحدہ علیحدہ ملاقاتیں کیں۔ 3 جون 1947ء کو کانفرنس کا دوسرا اجلاس منعقد ہوا اور تمام راہنماؤں نے منصوبے کی منظوری دے دی۔ اگرچہ مسلمانوں سے بدعہدی کی گئی تھی اور کانگرسی لیڈروں کی خوشنودی کے لیے منصوبے میں ناانصافیوں سے کام لیا گیا تھا لیکن قائداعظمؒ نے اس کے باوجود بادل ناخواستہ منصوبے کو قبول کر لیا۔ دونوں بڑی جماعتوں کے

نمائندوں نے ریڈیو پر تقاریر کیں۔ قائداعظمؒ نے اپنی تقریر پاکستان زندہ باد کے نعرے پر ختم کی۔

اہم نکات

1- صوبہ پنجاب اور صوبہ بنگال

پنجاب اور بنگال کی صوبائی اسمبلیوں کے مسلم اکثریت اور غیر مسلم اکثریت کے اضلاع کے نمائندے الگ الگ کثرت رائے سے اس بات کا فیصلہ کریں گے کہ وہ اپنے صوبوں کی تقسیم چاہتے ہیں یا نہیں۔ اگر دونوں میں سے ایک گروپ نے بھی تقسیم کے حق میں فیصلہ دے دیا تو ایک حد بندی کمیشن مقرر کیا جائے گا جو سرحدوں کا تعین کرے گا۔

2- شمالی مغربی سرحدی صوبہ (خیبر پختونخوا)

شمالی مغربی سرحدی صوبے کے عوام ایک استصواب رائے (ریفرینڈم) میں حصہ لیں گے اور براہ راست فیصلہ کریں گے کہ وہ پاکستان میں شامل ہونا چاہتے ہیں یا ہندوستان میں۔ قبائلی علاقوں کے ساتھ سیاسی مسائل استصواب رائے کے بعد بننے والی حکومت خود طے کرے گی۔ استصواب رائے گورنر جنرل خود کروائے گا اور اس کے لیے اسے صوبائی حکومت کا تعاون حاصل ہوگا۔

3- صوبہ سندھ

صوبہ سندھ کی اسمبلی کے ارکان اپنے صوبے کے مستقبل کا فیصلہ کریں گے اور طے کیا جائے گا کہ وہ دونوں میں سے کس ملک سے الحاق چاہتے ہیں۔ ووٹنگ میں سندھ اسمبلی کے یورپی ارکان کو رائے کے اظہار کا حق حاصل نہیں ہوگا۔

4- بلوچستان

بلوچستان کو ابھی صوبہ کا درجہ نہیں ملا تھا اس لیے منصوبے کے مطابق کوئٹہ میونسپلٹی اور علاقے کے شاہی جرگے کے ارکان کی رائے طلب کی جائے گی۔ سرکاری ارکان کو رائے دہی میں شامل نہیں کیا جائے گا۔

5- ضلع سلہٹ

آسام کا ضلع سلہٹ مسلم آبادی کا ضلع تھا۔ منصوبے کے مطابق سلہٹ میں استصواب رائے (ریفرینڈم) کرائے جانے کا فیصلہ ہوا اور استصواب رائے صوبہ بنگال کی دو حصوں میں تقسیم کے بعد ہوگا۔ اگر عوام کی اکثریت نے مشرقی بنگال میں شامل ہونے کا فیصلہ کیا تو وہ پاکستان کا حصہ بن جائیں گے۔

6- باقی صوبے

سلہٹ کے علاوہ باقی پورا آسام بھارت کا حصہ بنے گا۔ اسی طرح بہار، اڑیسہ یو پی، سی پی، بمبئی (ممبئی) اور مدراس بھارت میں شامل کیے جائیں گے۔

7- دیسی ریاستیں

برصغیر میں لگ بھگ چھے سو دیسی ریاستیں تھیں جن کے حکمران نواب اور راجا تھے، ان میں اہم ریاستیں جموں و کشمیر، کپورتھلہ، بیکانیر، حیدرآباد دکن، سوات، دیر، پٹیالہ، بہاولپور اور جوناگڑھ تھیں۔ ریاستوں کو اختیار دیا گیا کہ وہ اپنے مستقبل کا خود فیصلہ کر لیں اور دونوں

میں سے جس ملک سے چاہیں الحاق کر لیں۔

3 جون 1947ء کے منصوبہ پر عمل

1- غیر مسلم اکثریتی صوبے

بمبئی (ممبئی) مدراس، یوپی، سی پی، بہار اور اڑیسہ میں غیر مسلم اکثریت تھی اس لیے وہ بھارت کا حصہ بنا دیے گئے۔

2- سلہٹ

ضلع سلہٹ میں استصواب رائے (ریفرینڈم) کرایا گیا۔ مسلم لیگ نے زبردست مہم چلائی مولانا بھاشانی، فضل القادر چوہدری اور عبدالصبور خاں جیسے لیڈروں نے دن رات محنت کی۔ استصواب رائے میں 24 لاکھ عوام نے پاکستان کے حق میں ووٹ دیے۔ کل ووٹ $32\frac{1}{2}$ لاکھ تھے۔ سلہٹ پاکستان کا حصہ بن گیا۔

3- شمالی مغربی سرحدی صوبہ (خیبر پختونخوا)

سرحدی صوبے میں استصواب رائے کروایا گیا۔ عوام کی اکثریت نے اپنا فیصلہ پاکستان کے حق میں دیا۔ آل انڈیا مسلم لیگ کو تاریخی کامیابی ملی۔ سردار عبدالرب نشتر، خان عبدالقیوم خاں اور پیر مانکی شریف سمیت مسلم لیگی راہنماؤں نے صوبہ بھر کا دورہ کیا اور نتائج حسب توقع نکلے۔ شمالی مغربی سرحدی صوبہ پاکستان کا حصہ بن گیا۔

4- صوبہ سندھ

صوبائی اسمبلی کے 33 ارکان نے حق میں اور 20 ارکان نے مخالفت میں ووٹ دیے اور واضح اکثریت نے فیصلہ پاکستان کے حق میں دے دیا۔

5- بلوچستان

شاہی جرگے اور کوئٹہ میونسپلٹی کے ممبران نے اتفاق رائے سے قائداعظمؒ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے پاکستان میں شامل ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ قاضی محمد عیسیٰ، نواب محمد خاں جوگیزئی اور میر جعفر خاں جمالی نے پاکستان کے حق میں زبردست مہم چلائی۔ نواب آف قلات نے پاکستان کی حمایت کی۔ اس طرح بلوچستان پاکستان میں شامل ہو گیا۔

6- صوبہ پنجاب

پنجاب کی صوبائی اسمبلی میں رائے حاصل کی گئی۔ 91 ممبران نے پاکستان کے حق میں اور 77 ارکان نے مخالفت میں ووٹ دیے۔ پنجاب کو تقسیم کرنے کا فیصلہ کیا گیا اور یہ کام حد بندی کمیشن کے سپرد ہوا کمیشن کا سربراہ ایک معروف برطانوی وکیل سر ریڈ کلف کو بنایا گیا۔ دو مسلمان جج جسٹس شاہ دین اور جسٹس محمد منیر مسلمانوں کی طرف سے اور دو غیر مسلم جج جسٹس مہر چند مہاجن اور جسٹس تیجا سنگھ غیر مسلموں کی طرف سے مقرر کیے گئے۔ سر ریڈ کلف نے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے زیر اثر غیر منصفانہ فیصلے کیے۔ ضلع گورداسپور مسلم اکثریتی ضلع تھا لیکن اس کی تین تحصیلیں بھارت میں شامل کر دی گئیں۔ ضلع جالندھر اور ضلع فیروز پور کے مسلم اکثریتی علاقے بھی پاکستان کے حوالے نہ کیے گئے۔ مادھو پور ہیڈ ورکس بھارت کو دے کر پاکستان سے ناانصافی کی گئی۔

7- صوبہ بنگال

صوبہ بنگال کی تقسیم کے لیے بنائے گئے حد بندی کمیشن کا سربراہ بھی سر ریڈ کلف تھا۔ اُس کی مدد کے لیے مسلمانوں کی جانب سے جسٹس ابو صالح محمد اکرم اور جسٹس ایس۔ اے۔ رحمان جبکہ غیر مسلموں کی طرف سے جسٹس سی۔ سی۔ بسواس اور جسٹس بی۔ کے۔ مُکھر جی کو لیا گیا۔ بنگال کو مسلم اور غیر مسلم اکثریتی علاقوں میں تقسیم کرتے وقت حد بندی کی گئی تو وہاں بھی پنجاب کی طرح ناانصافیوں سے کام لیا گیا بہت سے مسلم اکثریتی علاقے بھارت کو سونپ دیے گئے۔ مرشد آباد اور مالدہ کے اضلاع سمیت کئی مسلم اکثریتی علاقوں سے پاکستان کو محروم کر دیا گیا۔ بہر حال صوبہ بنگال کا مشرقی حصہ پاکستان میں شامل کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔

8- دیسی ریاستیں

دیسی ریاستوں کی بہت بڑی تعداد پاکستان یا بھارت کے علاقوں کے درمیان واقع تھی زیادہ تر ریاستوں نے اپنے فیصلے دے دیے۔ صرف ریاست جموں و کشمیر، ریاست جونا گڑھ، ریاست حیدر آباد دکن اور ریاست مناوادر کے بارے میں کوئی نتیجہ اخذ نہ کیا جا سکا۔ جونا گڑھ اور مناوادر کے والیان نے پاکستان سے الحاق کا فیصلہ کیا لیکن بھارت نے فوج کشی کر کے ان پر قبضہ کر لیا۔ ریاست حیدر آباد دکن کے والی نظام نے اپنی ریاست کو آزاد حیثیت دینے کا عزم کیا لیکن بھارتی افواج نے حملہ کر کے حیدر آباد دکن کو زبردستی بھارت کا حصہ بنا دیا۔ حیدر آباد دکن، جونا گڑھ اور مناوادر میں عوام کی اکثریت غیر مسلم تھی لیکن ریاست جموں و کشمیر کے عوام کی بہت بڑی آبادی کا مذہب اسلام تھا۔ وہ پاکستان سے وابستہ ہونا چاہتے تھے لیکن ہندو راجہ کچھ اور سوچ رہا تھا۔ وادی کشمیر میں جنگ آزادی شروع ہوگئی۔ عوامی امنگوں کو بھارتی افواج نے کچلنا چاہا لیکن ناکامی ہوئی تو بھارت مسئلہ کشمیر کو اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں لے گیا۔ سلامتی کونسل نے جنگ بندی کروائی۔ بھارتی وزیر اعظم نہرو نے امن کے قیام کے بعد رائے شماری کرانے کا وعدہ کیا لیکن جب بھارت نے کشمیر کو پوری طرح جکڑ لیا تو رائے شماری کا وعدہ پس پشت ڈال دیا گیا۔ 1948ء، 1965ء اور 1971ء میں دونوں ممالک کے درمیان تین جنگیں ہو چکی ہیں لیکن عوام کے حق خود ارادیت کو نظر انداز کیا جا رہا ہے اور ریاست جموں و کشمیر کا تنازعہ انصاف کے مطابق ابھی تک حل نہیں ہو سکا۔

سوالات

حصہ اوّل (معروضی)

1- ہر سوال کے چار جوابات دیے گئے ہیں۔ درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

i- محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا قیام کب عمل میں لایا گیا؟

الف۔ 1866ء ب۔ 1876ء ج۔ 1886ء د۔ 1896ء

ii- برصغیر میں دو قومی نظریے کی اصطلاح سب سے پہلے کس نے استعمال کی؟

الف۔ قائداعظمؒ ب۔ علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ ج۔ شاہ ولی اللہؒ د۔ سرسید احمد خاں

iii- برصغیر میں وزیر امور ہند کا عہدہ سب سے پہلے کس ایکٹ میں متعارف کرایا گیا؟

الف۔ 1858 ب۔ 1861 ج۔ 1892 د۔ 1909

iv- قاضی محمد عیسیٰ کا تعلق کس صوبے سے تھا؟

الف۔ صوبہ بلوچستان ب۔ شمال مغربی سرحدی صوبہ ج۔ صوبہ سندھ د۔ صوبہ پنجاب

v- قائداعظمؒ نے اپنے مشہور چودہ نکات کب پیش کیے؟

الف۔ 1925ء ب۔ 1927ء ج۔ 1929ء د۔ 1931ء

vi- تحریک خلافت کب شروع ہوئی؟

الف۔ 1916ء ب۔ 1919ء ج۔ 1921ء د۔ 1930ء

vii- بنگال کی تقسیم کب ہوئی؟

الف۔ 1905ء ب۔ 1907ء ج۔ 1909ء د۔ 1911ء

viii- 1906ء میں مسلم لیگ کا قیام کس شہر میں عمل میں آیا؟

الف۔ کراچی ب۔ لکھنؤ ج۔ علی گڑھ د۔ ڈھاکہ

ix- سرسید احمد خاں نے رسالہ تہذیب الاخلاق کب جاری کیا؟

الف۔ 1860ء ب۔ 1865ء ج۔ 1870ء د۔ 1875ء

x- قائداعظمؒ مسلم لیگ میں کب شامل ہوئے؟

الف۔ 1909ء ب۔ 1913ء ج۔ 1917ء د۔ 1921ء

2- درج ذیل سوالات کے مختصر جواب دیجیے:

i- 1948ء میں قائداعظمؒ نے سبی دربار سے خطاب کرتے ہوئے کیا فرمایا؟

ii- سرسید احمد خاں کی پانچ تصانیف کے نام لکھیے۔

iii- آل انڈیا مسلم لیگ کے قیام کے مقاصد تحریر کیجیے۔

iv- تحریک خلافت میں مسلم اخبارات کا کیا کردار ہے؟

v- 1935ء کے ایکٹ کے تحت ''دو عملی کے نظام'' سے کیا مراد ہے؟

vi- تحریک خلافت کے مقاصد تحریر کیجیے۔

vii- ڈاکٹر جارج براس نے ''آئیڈیالوجی'' کی کیا تعریف کی ہے؟

viii- سانحہ چوراچوری سے کیا مراد ہے؟

ix- سید حسن ریاض نے اپنی تصنیف ''پاکستان ناگزیر تھا'' میں برصغیر کی تقسیم کے حوالے سے قائداعظمؒ کے متعلق کیا لکھا ہے؟

x- 1911ء میں ہونے والی الہ آباد کانفرنس میں مسلمانوں اور ہندوؤں کی نمائندگی کس نے کی؟

حصہ دوم (انشائیہ)

3- درج ذیل سوالات کے تفصیل سے جواب دیجیے:

i- قائداعظمؒ کے ارشادات کی روشنی میں نظریہ پاکستان کی وضاحت کیجیے۔

ii- سرسید احمد خاں کی تعلیمی اور سیاسی خدمات بیان کیجیے۔

iii- آل انڈیا مسلم لیگ کے قیام کی وجوہات کا جائزہ لیجیے۔

iv- میثاق لکھنؤ کے بنیادی نکات لکھیے نیز اہمیت بھی واضح کیجیے۔

v- 1935ء کے ایکٹ کی خصوصیات بیان کیجیے۔

vi- درج ذیل عنوانات کے تحت تحریکِ خلافت کی وضاحت کیجیے:

i- مقاصد ii- گاندھی کا کردار iii- تحریکِ خلافت کی سرگرمیاں

iv- غازی مصطفیٰ کمال پاشا کا کردار v- تحریک خلافت کے اثرات

vii- قراردادِ پاکستان کا جائزہ لیجیے۔

viii- 3 جون 1947ء کے منصوبے کے اہم نکات بیان کیجیے۔